# اخبار الرایہ

# شمارنمبر618

(23-ستمبر-2026)

(عربی سے ترجمہ)


سیاست دان اور ماہرِ سیاسیات کے درمیان فرق........................................2
احمد الشرع حکومت کی طرف سے یہود کے ساتھ نارملائزیشن کی انتھک کوششیں........................................7
سنجیدگی کا جواب سنجیدگی سے دیا جاتا ہے، مذمت اور منکرانہ بیانات سے نہیں!........................................10
امریکہ دارفور کو الگ کرنے کے لیے فوجی قیادت کے خلاف کیمیائی ہتھیاروں کو ایک سخت ڈنڈے کے طور پر استعمال کر رہا ہے...........13
آنے والے مرحلے کے لیے ترکی کا طے شدہ کردار........................................17
اے پاکستان کے مخلص سپاہیو! کیا تم اس بات کو گوارا کرتے ہو کہ مغضوب علیہم اور ضالین کے مددگار بنو؟!........................................22
بر کس: کیا عالمی نظام بدل رہا ہے؟ یا اس کے اندر طاقت کے مراکز تبدیل ہو رہے ہیں؟........................................23
حزب التحریر / ولایت سوڈان کے معززین و شخصیات سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے........................................28
جہازوں کا تحفظ یا امریکی بالادستی کا تحفظ؟........................................31
صرف اسلام ہی لیبیا سے استعمار کو نکال باہر کرنے پر قادر ہے........................................34
سموٹریچ اور تمام یہودی جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت ہمارے ہاتھوں طے کر دی ہے........................................36
جمہوری انتخابات: ایک فرسودہ اور ناکارہ فارمولا........................................37
کیا امت کافر مغرب کے منصوبوں کو ناکام بنائے گی اور اپنے حقیقی منصوبے کو اپنائے گی؟........................................42
امریکہ کا سورج غروب ہو چکا ہے اور اس کی تاریکی سب پر ظاہر ہو چکی ہے........................................43


اسلام کے نفاذ نے اسلامی ریاست کو ایک محفوظ، مامون اور باوقار پناہ گاہ بنا دیا اور اس کی خوشحالی کو یقینی بنایا، جس کے نتیجے میں نسل یا مذہب کی تفریق کے بغیر تمام شہریوں کو اس خوشحالی میں شریک ہونے کا موقع ملا اور کمزوروں و بے بسوں کی طرف رحم دلی کا ہاتھ بڑھایا گیا۔ امام ابو یوسف نے اپنی کتاب "الخراج" میں ذکر کیا ہے: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عراق میں حیرہ کے باشندوں، جو نصرانی (عیسائی) تھے، کے لیے معاہدۂ لکھتے وقت یہ تحریر فرمایا تھا: "اور میں نے ان کے لیے یہ حق طے کیا ہے کہ جو بھی بوڑھا شخص مشقت سے عاجز آ جائے، یا اس پر کوئی آفت و مصیبت نازل ہو جائے، یا وہ امیر تھا پھر غریب ہو گیا یہاں تک کہ اس کے ہم مذہب لوگ اسے صدقہ و خیرات دینے لگے، تو اس کا جزیہ ختم کر دیا جائے گا اور اس کی اور اس کے اہل و عیال کی کفالت مسلمانوں کے بیت المال سے کی جائے گی۔"

# سیاست دان اور ماہرِ سیاسیات کے درمیان فرق

تحریر: استاد اسلام ابو خلیل–ازبکستان

(ترجمہ)

**سیاست دان** اور **ماہر سیاسیات** دو قریب کے مفاہیم ہیں، تاہم ان دونوں کا عمل اور کردار ایک جیسا نہیں ہے۔

**ماہر سیاسیات** وہ متخصص ہوتا ہے جو سیاست کا علمی مطالعہ کرتا ہے اور سیاسی واقعات کا تجزیہ پیش کرتا ہے۔ وہ ریاستوں، سیاسی نظاموں اور بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ کرتا ہے، واقعات کے اسباب و نتائج کا تجزیہ کرتا ہے، اور پھر نتائج اور سفارشات پیش کرتا ہے۔ اس کے باوجود، ممکن ہے کہ وہ عملی طور پر سیاسی عمل میں حصہ نہ لے۔ اور اگر وہ ایسا مفکر ہو جو اپنے افکار کو عملی حقیقت میں ڈھالنے کی کوشش کرتا ہو، تو وہ سیاسی مفکر بن جاتا ہے۔

جہاں تک **سیاست دان** کا تعلق ہے، تو وہ وہ شخص ہے جو عملی طور پر سیاست کرتا ہے، معاشرے کے امور کی تدبیر و نگرانی کرتا ہے، فیصلے کرتا ہے، اور قائم شدہ نظام کی حفاظت کرنے یا اپنے اپنائے ہوئے مبدأ (آئیڈیالوجی) کے مطابق اسے تبدیل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ صدر، وزیر، رکنِ پارلیمان، یا کسی بھی سیاسی تحریک کا قائد اسی زمرے میں شمار ہوتا ہے۔

تاہم، حقیقی سیاست دان کی پہچان صرف عہدے سے نہیں ہوتی؛ وہ ایک کسان، تاجر یا کسی بھی دوسرے پیشے سے تعلق رکھنے والا فرد ہو سکتا ہے، اور اس کے باوجود معاشرے کی زندگی اور اس کے سیاسی دھارے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کے برعکس، عہدیداروں میں سے بعض لوگ ایسے سرکاری مناصب پر فائز ہو سکتے ہیں جن کے پاس کوئی آزاد سیاسی ارادہ نہیں ہوتا، اور ان کا کردار محض دوسروں کے فیصلوں پر عمل درآمد تک محدود رہتا ہے۔

**معاشرے میں ایک غلط تصور**

بد قسمتی سے، ہمارے معاشرے میں سیاست کے بارے میں غلط تصورات عام ہو چکے ہیں، جن میں سے مشہور ترین قول یہ ہے: **لا ينبغي التدخل في السياسة لأنها عمل فاسد وقذر** "سیاست میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ ایک فاسد اور گندا کام ہے"۔

اس فہم نے بہت سے لوگوں کو اپنے معاشرے کے امور میں دلچسپی لینے سے دور کر دیا، جس کے نتیجے میں حکومتی نظام امت کی نگرانی اور احتساب سے آزاد ہو گئے، اور لوگ غلط پالیسیوں سے بے پرواہو گئے۔ اس چیز نے ظلم اور بدنظمی کے تسلسل میں حصہ ڈالا، اور امت کے مسائل کے تیئں ذمہ داری کے احساس کو کمزور کر دیا۔

## سیاست کیا ہے؟

سیاست سے مراد اندرونی اور بیرونی امور کی دیکھ بھال (رعایت) ہے۔ لغت میں کہا جاتا ہے: "ساسَ - يَسُوسُ - سِياسَة"، یعنی اس نے تدبیر، انتظام اور دیکھ بھال کی، اور دوسروں کے امور کی ذمہ داری سنبھالی۔ اور کہا جاتا ہے: "ساسَ الخيلَ"، یعنی اس نے گھوڑوں کی دیکھ بھال، تربیت اور رہنمائی کی۔

اسی لغوی معنی سے لفظِ "سیاست" ماخوذ ہے، کیونکہ یہ امور کی دیکھ بھال، ان کے انتظام اور ان کی تنظیم پر دلالت کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ: **«كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتَكْثُر»** "بنی اسرائیل کے امور کی دیکھ بھال اور قیادت انبیاء علیہم السلام کیا کرتے تھے؛ جب بھی کسی نبی کی وفات ہوتی تو دوسرا نبی ان کا جانشین بنتا، اور یقیناً میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، اور عنقریب خلفاء ہوں گے اور ان کی تعداد زیادہ ہو گی"۔ (رواہ البخاری و مسلم)

یہاں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لفظِ سیاست اپنے لغوی اصل میں دیکھ بھال اور انتظام کے معنی رکھتا ہے، پھر بعد میں اسے ایک ایسی اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جانے لگا جو ریاست اور معاشرے کے امور کے انتظام پر دلالت کرتی ہے۔ اس حدیثِ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے لفظ « **تَسُوسُهُمْ** » استعمال فرمایا، یوں سیاست کا لغوی معنی بیان کر دیا۔ نیز یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ سیاست کوئی فاسد یا گھٹیا کام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک عظیم اور شرف والا منصب و فریضہ ہے جسے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام نے انجام دیا۔

## قرآنِ کریم میں سیاست

قرآنِ کریم میں لفظِ سیاست اپنے صریح لفظ کے ساتھ وارد نہیں ہوا، لیکن اس کے مفاہیم اور معانی متعدد الفاظ و مفاہیم میں آئے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: حکم (حکمرانی)، امر (معاملہ)، استخلاف (جانشینی)، تمکین (اقتدار)، اور شوریٰ (مشورہ)۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ﴾ "اور یہ کہ آپ ان کے درمیان اسی کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے۔" (سورۃ المائدۃ: آیت 49)

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حکم (حکمرانی و فیصلے) کا ماخذ وہی ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔

وقال تعالیٰ: ﴿يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ﴾ "اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے، پس لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔" (سورۃ ص: آیت 26)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ عدل ہی وہ بنیادی اصل ہے جس پر حکمرانی کو قائم ہونا چاہیے۔

اسی طرح قرآنِ کریم میں دیگر اصطلاحات بھی وارد ہوئی ہیں جو حکومت اور لوگوں کے امور کی تدبیر کے معنی پر دلالت کرتی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

الاستخلاف (جانشینی)، یعنی انسان کو زمین میں خلیفہ بنانا۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ "اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلیفہ (حکمران) بنائے گا۔" (سورۃ النور: آیت 55)

ان میں سے ایک "تمکین" (اقتدار دینا) بھی ہے، اور اس سے مراد سلطنت و قدرت عطا کرنا ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ "یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور تمام امور کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔" (سورۃ الحج: آیت 41)

یہ آیت اسلام میں حکمرانی کے فرائض و وظائف کو واضح کرتی ہے، جو کہ یہ ہیں: نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، معروف کا حکم دینا، اور منکر سے روکنا۔ اسی لیے علماء اسے ان اہم ترین آیات میں شمار کرتے ہیں جو اسلام میں اقتدار کے مقصد کو واضح کرتی ہیں؛ کیونکہ حکمرانی کا فریضہ محض نظم و ضبط قائم رکھنا یا معیشت کو چلانا نہیں ہے، بلکہ عدل قائم کرنا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکام کے مطابق معاشرے کے امور کی تدبیر و نگرانی کرنا ہے۔

قرآنی اصطلاحات میں سے ایک "**الأمر**" (معاملہ) بھی ہے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿**وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ**﴾ "اور ان کا معاملہ ان کے باہمی مشورے سے طے ہوتا ہے۔" (سورۃ الشوریٰ: آیت 38)

اسی لیے یہ بات کہنا کہ **إن القرآن لم يذكر الخلافة أو لم يتحدث عنها** "قرآن نے خلافت کا ذکر نہیں کیا یا اس کے بارے میں بات نہیں کی" ایک غلط قول ہے؛ کیونکہ سابقہ آیات نے حکمرانی، استخلاف، اور لوگوں کے امور کی تدبیر و نگرانی کے مفاہیم کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔

پس، سیاست محض خبروں کی پیروی، اخبارات کا مطالعہ، یا واقعات پر تبصرہ کرنے کا نام نہیں ہے، اگرچہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کی ایک سیاست دان کو ضرورت ہوتی ہے، بلکہ اس کی حقیقی صورت یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد پر امت کے اندرونی اور بیرونی امور کی دیکھ بھال (رعایت) کی جائے، اور ان نظریات و اصولوں کو عملی زندگی میں قائم کرنے کے لیے جدوجہد کی جائے۔

**اسلام میں سیاسی شعور**

ایک مسلمان کا سیاسی شعور یہ ہے کہ وہ دنیا اور اس میں رونما ہونے والے جاری واقعات کو عقیدۂ اسلامی کے زاویۂ نظر سے دیکھے، یعنی ہر واقعے کا اندازہ "**لا إله إلا الله محمد رسول الله**" کے ترازو سے لگائے۔

پس اگر انسان اس بات کی کوشش کرے کہ اپنی فکر کو حقیقت کو سمجھنے اور اسے تبدیل کرنے کی بنیاد بنائے، یا زندگی میں اپنے افکار کو غالب کرنے اور معاشرے میں انہیں نافذ کرنے کے لیے جدوجہد کرے، تو وہ سیاست دان ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیاست عملی زندگی میں افکار اور نظریات کو قائم کرنے کے عمل اور جدوجہد سے گہرا تعلق رکھتی ہے، وہ محض واقعات کی معرفت یا ان کا تجزیہ کرنے کا نام نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ماہرِ سیاسیات سیاست کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کا تجزیہ کرتا ہے، جبکہ سیاست دان وہ شخص ہے جو معاشرے کے امور کی تدبیر و نگرانی یا نظامِ حکومت کی اصلاح کے لیے ایک مخصوص فکر اور پروگرام کے مطابق کام کرتا ہے۔

جہاں تک مسلمان کے سیاسی شعور کا تعلق ہے، تو وہ عقیدۂ اسلامی کے آئینے میں واقعات کو دیکھنے، اور حق و عدل کے قیام کے لیے احساسِ ذمہ داری میں مجسم ہوتا ہے۔

اسی بنا پر، اسلام میں سیاست کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جو لوگوں کے کسی خاص طبقے کے ساتھ مخصوص ہو، بلکہ یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جس کا تعلق امت کے امور کی دیکھ بھال اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکام اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق اس کے مفادات کی حفاظت کرنے سے ہے۔

# احمد الشرع حکومت کی طرف سے یہود کے ساتھ نارملائزیشن کی انتھک کوششیں

تحریر: استاد منیر ناصر

(ترجمہ)

حالات و واقعات کے دھارے پر گہری نظر رکھنے والے ہر باخبر مبصر پر یہ بات مخفی نہیں کہ حالیہ دنوں میں شام اور یہودی وجود کے مابین تعلقات کس ڈگر پر جا پہنچے ہیں؛ جہاں میدانی سطح پر ایک نمایاں کشیدگی دیکھنے میں آئی جس میں غاصب یہودی وجود کی افواج نے ترک افواج کی موجودگی کا بہانہ بنا کر 'ابو الظہور' کے فوجی ہوائی اڈے کو نشانہ بنایا۔

اور اس یہودی وجود کے سیاست دانوں کے بیانات نے اس سرخ لکیر کی توثیق کی کہ شام کی سرزمین پر کسی صورت ترک فوجی اڈے یا مہماتی ٹھکانے قائم کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، خواہ وہ شمال ہی میں کیوں نہ ہوں جیسا کہ ابو الظہور ہوائی اڈے کے معاملے میں پیش آیا۔

اس کے مقابلے میں، الشیبانی کے بیانات سامنے آئے جو ان کے بقول کسی بھی غیر ملکی فوج کی موجودگی کی نفی کرتے تھے، جن کے ساتھ ان حملوں کی ایک بوجھل و بے اثر زبانی مذمت بھی شامل تھی؛ یہ ایک ایسا تکراری اور ناگوار موقف ہے جو یہودی وجود اور اس کی متواتر جارحیت کے مقابلے میں طویل دہائیوں پر محیط آلِ اسد کے نظام کے ردِ عمل کی من و عن عکاسی کرتا ہے، جس میں اس کی جارحیت کو روکنے یا اسے ملک سے مٹانے کے لیے کسی بھی حقیقی و عملی اقدام کا سراغ نہیں ملتا۔

اس خلاف ورزی اور جارحیت کا کمر توڑ فوجی جواب دینے کے بجائے، یکایک اردن کی میزبانی میں ہونے والے ایک ایسے اجلاس کا اعلان سامنے آیا جس نے شام کے وزیرِ خارجہ اور یہودی وجود کے موساد چیف کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ اس اعلیٰ سطحی انٹیلی جنس ملاقات میں ہونے والی بات چیت کا بنیادی محور "سیکیورٹی معاہدے اور سرحدوں کو پرسکون بنانے" جیسے دلفریب اور فریب کارانہ عنوانات کے تحت نارملائزیشن کے عمل کو آگے بڑھانا تھا۔ بند کمروں میں دونوں فریقوں کے درمیان طے پانے والی شقوں کو ڈھانپنے والی شدید پردہ داری اور مطلق رازداری کے باوجود، افشا ہونے والی معلومات

اور سیاسی اشاروں کے ذریعے سامنے آنے والے حقائق اس معاہدے کے بنیادی خدوخال واضح کرنے کے لیے کافی ہیں؛ جس کا اصلی مقصد یہودی وجود، شام اور ترکی پر مشتمل ایک مشترکہ سیکیورٹی آپریشنز روم قائم کرنا ہے، جو براہِ راست اور کھلے عام امریکی نگرانی و سرپرستی میں کام کرے گا۔

اردن کے اجلاس کے صرف دو ہفتے بعد، شام کے وزیرِ خارجہ اسعد الشیبانی نے ترکی کے ایک غیر اعلانیہ دورے کے دوران اپنے ترک ہم منصب حقان فیدان اور انقرہ میں متعین امریکی سفیر و شام و عراق کے لیے امریکہ کے خصوصی نمائندے ٹام براک سے ملاقات کی۔ باخبر ذرائع نے 'العربی الجدید' کو بتایا کہ ان مذاکرات کے ایجنڈے میں سیکیورٹی امور اور علاقائی معاملات کی از سرِ نو ترتیب سرِ فہرست تھی۔ میڈیا کی بلیک آؤٹ اور ان ملاقاتوں کے تفصیلی مندرجات سے متعلق سرکاری بیانات کے فقدان کے باوجود، تمام قرائن اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ ملاقاتیں یہودی وجود کے ساتھ حتمی معاہدے کی صورت گری کو مکمل کرنے کی انتھک کوششوں کا حصہ ہیں۔ اور شاید پلیٹ فارم 'ایکس' پر ایک ٹویٹ کے ذریعے الشیبانی کی ستائش کرتے ہوئے اس ملاقات پر براک کا واضح تبصرہ پورے منظر نامے کا خلاصہ پیش کرتا ہے، کیونکہ یہ امریکی وژن کے مطابق اپنے علاقائی اور بین الاقوامی تعلقات کی ترتیب میں شام کی رویہ اور پابندی پر امریکہ کے اطمینان کو ظاہر کرتا ہے۔

یہاں، اس خطرناک موڑ اور فیصلہ کن مرحلے پر، ہمارے لیے چند بنیادی نکات پر رک کر غور کرنا انتہائی ضروری ہے، تاکہ ان عظیم قربانیوں اور اس مقصد کو دوبارہ ذہنوں میں تازہ کیا جاسکے جس کے لیے پاکیزہ خون بہایا گیا تھا، اور ان اصلی مقاصد و اہداف کی یاد دہانی کرائی جاسکے جن کی خاطر عوام میدان میں نکلے تھے: پہلا: امریکی سرپرستی کا وہم اور متوازن اتحادی کا دھوکہ۔ بلاشبہ امریکہ، جو اہلِ غزہ کے خلاف خوفناک جنگ اور نسل کشی میں یہودی وجود کا سب سے بڑا پشتیبان اور براہِ راست معاون ہے، وہ کسی صورت میں بیک وقت شام کے مسلمانوں کا دوست یا خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ امتِ مسلمہ سے امریکہ کی عداوت ہر صاحبِ بصیرت کے لیے روزِ روشن کی طرح عیاں اور مسلّم حقیقت ہے۔ بلکہ نزدیک تر تاریخی شواہد اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ امریکہ ہی اپنے عوام کے خلاف جنگ میں سابقہ مجرم نظام کے حق میں لڑائی کے توازن کو برقرار رکھنے والا پسِ پردہ حامی اور بنیادی محرک تھا، خواہ اس نے سیاسی فریب کاری پر مبنی بیانات کے ذریعے کھلم کھلا اس کے برعکس دعویٰ ہی کیوں نہ کیا ہو۔ امریکہ نے اس مجرم کو کھلی چھوٹ دیے رکھی کہ وہ لوگوں کو قتل کرے اور شہروں کو ان کے رہائشیوں کے سروں پر مسمار کر دے، اور خود محض چند برائے نام پابندیوں پر اکتفا کیا جو نہ تو کسی مجرم

حکومت کا تختہ الٹ سکتی تھیں اور نہ ہی کسی گھناؤنے جرم کو روک سکتی تھیں، تا آنکہ وہ آج آکر خود کو علاقے میں امن اور حل کا کافل و سرپرست بنا کر پیش کر رہا ہے!

بلاشبہ تاریخ سودے بازی کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کرتی، اور جو قوم اپنے دشمنوں کے وژن کو قبول کر لے اور اپنے عہد وپیمان نیز اپنے شہداء کے خون کے بدلے مشکوک سیکیورٹی معاہدوں کا سودا کر لے، وہ اپنے ہاتھوں اپنی غلامی اور بربادی کا پروانہ لکھتی ہے۔ اور آج کا اصل فرض یہ ہے کہ اپنی بنیادوں اور ایمانی اصولوں کی طرف رجوع کیا جائے، اور وقت ہاتھ سے نکلنے سے پہلے اپنے قطب نما (رخ) کی تصحیح کر لی جائے۔

# سنجیدگی کا جواب سنجیدگی سے دیا جاتا ہے، مذمت اور منکرانہ بیانات سے نہیں!

ترکیہ، مصر، سعودی عرب، قطر، متحدہ عرب امارات، اردن، انڈونیشیا اور پاکستان کے وزرائے خارجہ نے ایک مشترکہ بیان میں غزہ سے فلسطینیوں کی بستیوں کی زبردستی منتقلی (جبری بے دخلی) کی کسی بھی کوشش کو مسترد کرنے کا اعادہ کیا، اور نام نہاد قومی سلامتی کے وزیر بن گویر اور یہودی وجود کے وزیر دفاع کاٹس کے جبری بے دخلی کے بارے میں دیے گئے بیانات کی "شدید ترین الفاظ میں" مذمت کی۔ معمول کے مطابق، جب مسلمانوں کے مفادات کا معاملہ آتا ہے تو بین الاقوامی اداروں اور ان رسمی قوانین پر امیدیں وابستہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو اس سیاہی کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتے جس سے وہ لکھے گئے ہیں؛ انہوں نے ان اشتعال انگیز بیانات اور تجاویز کو بین الاقوامی قانون کے اصولوں، بشمول بین الاقوامی انسانی قانون، کی کھلی خلاف ورزی اور فلسطینی عوام کے جائز و ناقابل تنسیخ حقوق کے لیے براہ راست خطرہ قرار دیا۔

چنانچہ ایک ایسے وقت میں جب اللہ کا دشمن بن گویر ایک ایسی مکمل تیار شدہ نسل کشی اور نسلی تطہیر کے منصوبے کا ذکر کر رہا ہے جو ایک خصوصی وزارت کے قیام کے ذریعے 7 سال کے اندر غزہ کی پٹی کے 18.6 لاکھ باشندوں کو جبراً بے دخل کرنے پر مبنی ہے، اور کاٹس نے اس منصوبے کے وجود کا اعتراف بھی کیا ہے، اگرچہ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ امریکی صدر ٹرمپ پر عرب ممالک کے دباؤ اور انہیں دی جانے والی تجارتی و سرمایہ کاری کی پیشکشوں کی وجہ سے اسے عارضی طور پر مؤخر کر دیا گیا ہے، تو اس تمام ترصورتِ حال کے مقابلے میں آٹھ اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ صرف مذمت اور ناگواری کے بیانات پر اکتفا کر رہے ہیں۔ وہ یہودی وجود کی اس عملی سنجیدگی اور اس کے ان منصوبوں کا، جو عمل درآمد کے لیے بالکل تیار ہیں اور جن کی تصدیق زمین پر اس کی روزمرہ کی جارحانہ کارروائیوں اور اقدامات سے ہوتی ہے، مقابلہ محض مذمتی اور احتجاجی الفاظ سے کر رہے ہیں! اس سے ان حکمرانوں کی مکمل بے حسی و عدم سنجیدگی اور مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی پالیسی کا پردہ چاک ہوتا ہے۔

اس صورتِ حال پر حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس کی طرف سے جاری کردہ ایک پریس ریلیز میں کہا گیا: فلسطین میں ہمارے بھائیوں کے خلاف یہودیوں کی جارحیت اور درندگی ایک روزمرہ کا معمول بن چکی ہے؛ ٹارگٹ کلنگز، دھماکے، گرفتاریوں، حملے، بستیوں کی توسیع اور مزید یہودی آبادکاری، اور اس کے ساتھ ساتھ مغربی کنارے کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا اور وہاں کے باشندوں کی روزی روٹی تک تنگ کر دینا، جس نے ان کی زندگی کو جہنم بنا دیا ہے؛ تاکہ انہیں ہجرت پر مجبور کیا جا سکے، اور اللہ کے دشمن یہودیوں کا یہ دعویٰ سچ ثابت ہو سکے کہ فلسطین کے 80 فیصد لوگ ملک چھوڑنے پر تیار ہیں اگر انہیں فلسطین سے باہر کوئی قبول کرنے والا مل جائے!

پریس ریلیز میں مزید کہا گیا: اس تمام تر جارحیت، منصوبے اور اس پر عمل درآمد کے مقابلے میں ہمیں مسلمان حکمرانوں کی طرف سے صرف اجلاسوں، مذمتی بیانات اور اس مسئلے کو اقوامِ متحدہ کے اڈے اور بین الاقوامی قوانین کی طرف موڑنے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، جو پہلے بھی اور آج بھی استعمار اور بڑی طاقتوں کے آلہ کار رہے ہیں!

اور پریس ریلیز میں اس بات پر زور دیا گیا: فلسطین کے لوگوں کی نصرت کرنا، ان کی جبری بے دخلی کی کوششوں کو روکنا، اور پورے فلسطین کو آزاد کرانا ایک نہایت آسان اور متبادل راستوں سے ممکن عمل ہے، بشرطیکہ یہ آٹھ ممالک یا ان میں سے بعض، یا ان میں سے کوئی ایک ملک بھی اس کا پختہ ارادہ کر لے۔ کیونکہ مسلمانوں کی وہ افواج جنہیں حکمرانوں نے یہودیوں سے معرکہ آرائی کرنے سے روک رکھا ہے، وہی اس بات کی تقاضا کنندہ، ذمہ دار اور اس پر مکمل قادر ہیں۔ اور امت اب اس حقیقت سے بخوبی واقف و بیدار ہو چکی ہے اور حکمرانوں کے ڈرامے اور ان کے کمزور مواقف اب اسے مزید دھوکے میں نہیں رکھ سکتے۔

بیان کے اختتام پر وضاحت کی گئی: اب جبکہ حکمرانوں نے اللہ کی نداء اور اہلِ فلسطین کی فریاد سننے سے اپنے کان بند کر لیے ہیں، تو اس کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہا کہ امت کی افواج کے مخلص لوگ خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے حزب التحریر کو نصرۃ (عسکری مدد) فراہم کریں، کیونکہ یہی وہ خلافت ہے جو مسلمانوں کو متحد کرے گی اور فلسطین کو آزاد کرائے گی۔

**﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيّاً وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيراً ﴾** "اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں

اور بچوں کے لیے جنگ نہیں کرتے جو دعائیں مانگ رہے ہیں کہ: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں، اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حامی و سرپرست بنادے اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار کھڑا کردے۔"(سورۃ النساء: آیت 75)

# امریکہ دارفور کو الگ کرنے کے لیے فوجی قیادت کے خلاف کیمیائی ہتھیاروں کو ایک سخت ڈنڈے کے طور پر استعمال کر رہا ہے

تحریر: شیخ احمد السمانی—ولایہ سوڈان

(ترجمہ)

آن لائن اخبار 'الخلیج' اور 'اسکائی نیوز عربیہ' نے 5 ستمبر 2026ء کو روزنامہ 'واشنگٹن پوسٹ' کی ایک رپورٹ شائع کی ہے، جو ان دستاویزات کے بارے میں ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوڈانی فوج نے کلورین بموں کا ایک خفیہ ذخیرہ قائم کیا ہے جسے اس نے 'ریپڈ سپورٹ فورسز' کے خلاف استعمال کیا۔ امریکی اخبار نے ایک تحقیقاتی رپورٹ سے پردہ اٹھایا ہے جو خفیہ دستاویزات پر مبنی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوڈانی فوج نے کیمیائی ہتھیاروں کا ایک خفیہ ذخیرہ تیار کیا اور سوڈان میں جاری تنازع کے دوران کلورین کے استعمال کا سہارا لیا۔ اخبار لکھتا ہے: "یہ ایک ایسا خطرناک موڑ ہے جو پچھلے تین سالوں سے جاری داخلی جنگ کے المیے کو مزید بڑھا رہا ہے، جس نے دنیا کا بدترین انسانی بحران پیدا کر دیا ہے۔" اخبار اپنی رپورٹ کو جاری رکھتے ہوئے بتاتا ہے کہ ان فائلوں میں سوڈانی عسکری حکام کی تیار کردہ ایسی دستاویزات شامل ہیں جو دم گھوٹنے والی گیس سے لیس "دوہرے اثر والے" (Dual-Effect) بارود کی طرف اشارہ کرتی ہیں، ساتھ ہی ایسی ویڈیو کلپس بھی ہیں جن میں ہتھیاروں کی آزمائش کے دوران سبز اور زرد رنگ کا دھواں اٹھتے دکھایا گیا ہے، اور سوڈانی عسکری حکام کے درمیان ایسے مراسلے بھی ہیں جو بتاتے ہیں کہ فوج کے پاس 290 کیمیائی بارودی مواد کا ذخیرہ موجود ہے۔

ان فائلوں کی جانچ پڑتال کے دوران روزنامہ 'واشنگٹن پوسٹ' نے 20 سے زائد مغربی انٹیلی جنس حکام، کیمیائی ہتھیاروں کے انسپکٹرز اور انسانی حقوق کی تنظیموں کے ماہرین سے مشاورت کی، اور ان تمام افراد نے ان مواد کو کیمیائی ہتھیاروں کے پروگرام کی موجودگی کا ایک قابلِ اعتماد ثبوت قرار دیا۔

شاید یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ امریکہ جب کسی خطے میں کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے، تو وہ عسکری اور سیاسی اقدامات کا ایک مجموعہ بروئے کار لاتا ہے؛ خواہ وہ بحران پیدا کر کے اس کے نتائج کا تعاقب کرنے کے ذریعے ہو، یا ایسے سیاسی

اقدامات کے ذریعے جو اس کی استعماری پالیسی کی کامیابی اور ریاستوں کو تباہ کرنے کے لیے قوموں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے کی طرف لے جائیں۔ وہ دنیا کی نمبرون طاقت کے تخت پر براجمان رہتے ہوئے، دلدل میں پھنسنے والوں کو اسی حال پر چھوڑنے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتا، جو درحقیقت خود امریکہ کی ہی پیدا کردہ دلدل ہوتی ہے۔ وہ ان اقدامات کو قانونی جرم قرار دینے کے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے، جس کے ذریعے وہ فرار ہونے کی کوشش کرنے والوں کو مغلوب کرنے کے لیے بین الاقوامی دباؤ ڈالتا ہے، جبکہ وہ ہر صورت ان کی نکیل تھامے رکھتا ہے، بالخصوص جب وہ برہان اور حمیدتی کی طرح اس کے وفادار ایجنٹ ہوں۔ چنانچہ وہ ایجنٹوں پر ہی سارے گناہوں کا ملبہ ڈالتا ہے اور ان پر دباؤ ڈالتا ہے تاکہ وہ مزید سرنگوں اور مطیع ہو جائیں!

امریکہ نے گزشتہ صدی کی نوے کی دہائی سے ہی سوڈان کی تقسیم کے منصوبے کی قیادت کی اور اسے اپنی ترجیحات میں سب سے اوپر رکھا، جب اس نے خرطوم سے نکل کر اسمرہ کا رخ کرنے والی اپوزیشن قوتوں میں گہری دلچسپی لی۔ اپوزیشن نے 1995ء میں اسمرہ میں "فیصلہ کن امور کی کانفرنس" کے عنوان سے اپنا وہ مشہور اجلاس منعقد کیا جس میں حقِ خود ارادیت کے نظریے کو اپنایا گیا۔ چنانچہ اس اتحاد نے اپنی قیادت اس وقت کے باغی قائد اور امریکی ایجنٹ جون قرنگ کے سپرد کر دی، اور امریکہ نے سن 2000ء میں اس اتحاد کو 10 ملین ڈالر فراہم کیے۔

پھر امریکہ نے دہشت گردی کی سرپرستی کے بہانے البشیر حکومت پر اقتصادی پابندیوں کے قانون کے ذریعے دباؤ ڈالا، یہاں تک کہ وہ جنوبی سوڈان کو علیحدہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

پھر سوڈانی عوام پر مصائب و آلام کا ایک نیا دور اس وقت شروع ہوا جب فوج نے 2003ء میں دارفور کی اس بغاوت سے نمٹنے کے لیے 'ریپڈ سپورٹ فورسز' بنائی جسے برطانیہ کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اس وقت یہ فورس 'ریپڈ سپورٹ فورسز' کے نام سے نہیں تھی، بلکہ المحامید قبیلے کے سردار موسیٰ ہلال کی قیادت میں 'بارڈر گارڈز' کا حصہ تھی۔ بعد میں 2013ء میں یہی بارڈر گارڈز ترقی پا کر آلِ دقلو ("حمیدتی" اور اس کے بھائیوں) کی قیادت میں 'ریپڈ سپورٹ فورسز' کی شکل اختیار کر گئے۔

امریکہ دارفور کو الگ کرنے پر نظریں جمائے وقت کے ساتھ دوڑ لگا رہا ہے اور سوڈان میں برطانیہ کے ساتھ اپنی کشمکش میں تیزی سے پیش قدمی کر رہا ہے۔ چنانچہ جب بھی برطانیہ کوئی سیاسی جال بچھاتا ہے، امریکہ برطانوی اثر و رسوخ کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے اس کا مقابلہ کہیں زیادہ حکمت اور مہارت سے کرتا ہے؛ خواہ وہ برطانیہ کا عسکری اثر و رسوخ ہو

جو جو با معاہدے پر دستخط کرنے والی باغی تحریکوں میں نمایاں ہے، یا سیاسی اثر ورسوخ جو سیاسی جماعتوں اور "صمود" بلاک کی شکل میں موجود ہے۔ واضح رہے کہ برطانیہ سوڈان کے ٹکڑے کرنے میں امریکہ کی ضمناً توثیق ہی کرتا ہے، کیونکہ برطانیہ ہی نے جنوبی سوڈان کی پہلی بغاوت پیدا کی تھی اور ستمبر 1922ء میں "ممنوعہ علاقوں کا قانون" وضع کیا تھا۔

روزنامہ 'واشنگٹن پوسٹ' کی رپورٹ خواہ سچی ہو یا جھوٹی، ایسی حکومتوں کو پھنسانے میں امریکہ کے ادوار ہمیشہ سے مشکوک رہے ہیں۔ مثال کے طور پر، تباہ کن مہلک ہتھیاروں کے وجود کے بہانے عراق کو تباہ کرنے میں اس کا کردار، جہاں اس نے بین الاقوامی ماہرین کا ایک کمیشن بنایا اور برطانیہ بھی اسی راستے پر چلا۔ امریکہ نے بش جونیئر اور اس کے وزیرِ خارجہ کولن پاول کی قیادت میں متعدد پریس کانفرنسوں میں میڈیا کے ذریعے یہ جھوٹ بولا کہ عراق کے پاس بین الاقوامی طور پر ممنوعہ ہتھیار موجود ہیں، جبکہ اس کمیشن کو کچھ بھی نہیں ملا تھا۔ اس کے باوجود امریکہ عراق کو تباہ کرنے کے راستے پر گامزن رہا اور انسانی حقوق، عالمی اداروں اور ریاستوں کی خودمختاری و عدمِ تجاوز کا نعرہ لگانے والی بین الاقوامی تنظیموں کے دور میں ایک ناپاک جنگ چھیڑی۔ اسی طرح کا کردار امریکہ نے اپنے ایجنٹ بشار الاسد کے معاملے میں بھی دکھایا؛ جب اس نے اہلِ سُوریہ (شام کے عوام) کے خلاف سنگین جرائم کا ارتکاب کیا اور انہیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے کے لیے اپنا پورا عسکری زور لگا دیا۔ امریکہ ہی نے انقلابیوں کو کچلنے کے لیے روس، ایران، اس کی لبنانی پارٹی (حزب اللہ) اور ترکی کو جنگ میں جھونکا اور بشار کے تمام تر جرائم کے باوجود اس کا دفاع کیا۔ لیکن جیسے ہی اس نے اگلے مرحلے کے لیے الجولانی کو تیار کر لیا، تو اس نے بشار الاسد سے ہاتھ کھینچ لیا، بلکہ اس پر اور شامی عوام پر "شہریوں کے تحفظ کے قیصر قانون 2019ء" کے تحت پابندیاں عائد کر دیں جو 2025ء تک برقرار رہیں اور نظام کی گردن پر لٹکتی ہوئی تلوار بنی رہیں۔

اسی طرح وینزویلا کے صدر مادورو کے ساتھ بھی اسی بہانے کا استعمال کیا گیا کہ وہ منشیات کی تجارت کی سرپرستی کر رہا ہے اور اس کے ذریعے امریکہ کو نشانہ بنا رہا ہے؛ جبکہ یہ ایک باطل بہانہ تھا جس کا پردہ خود ٹرمپ نے یہ کہہ کر فاش کر دیا کہ وہ وینزویلا کا تیل چاہتا ہے، نہ کہ امریکہ پر منشیات کا حملہ روکنا، کیونکہ امریکہ تو دنیا کے کسی بھی دوسرے ملک کی نسبت منشیات سے زیادہ بھرا ہوا ہے!

امریکہ قوموں کے خون میں گردن تک ڈوبا ہوا ہے اور دنیا کی نمبر ون طاقت کی حیثیت برقرار رکھنے کے لیے عالمی بحرانوں میں بنیادی حصہ دار ہے، تاکہ وہ سیاسی و عسکری دام اور دباؤ کی پالیسی کے ذریعے دنیا کو کنٹرول کر سکے۔ اسے اس بات کی ذرہ برابر پروا نہیں کہ انسان بھوکے مر رہے ہیں یا قتل کیے جا رہے ہیں۔

اور سوڈان کے عوام، تمام مسلمانوں اور بالخصوص پوری انسانیت کو نبوت کے نقشِ قدم پر قائم دوسری خلافتِ راشدہ کے سوا کوئی چیز نجات نہیں دلا سکتی، جو اللہ کے اذن سے عنقریب قائم ہونے والی ہے؛ اور اسی مقصد کے لیے عمل کرنے والوں کو جدوجہد کرنی چاہیے۔

# آنے والے مرحلے کے لیے ترکی کا طے شدہ کردار

**تحریر: استاد فواد حامد ایوب**

**(ترجمہ)**

نیوز ویب سائٹ "ایکسیوس" (Axios) نے شائع کیا ہے کہ وائٹ ہاؤس نے حال ہی میں ٹرمپ انتظامیہ کی نئی قومی سلامتی حکمت عملی (نیشنل سیکیورٹی اسٹریٹجی) کی تفصیلات جاری کی ہیں، جو 33 صفحات پر مشتمل ایک دستاویز ہے، جس میں متعدد امور اور خاص طور پر اسلامی ممالک پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں امریکہ کی اس دلچسپی کی بنیادی وجہ اس کی جغرافیائی اہمیت اور منفرد جیو پولیٹیکل موقع و محل ہے۔ اس حکمت عملی میں مشرقِ وسطیٰ کے فائل کے لیے دو صفحات مختص کیے گئے ہیں، جن میں جاری تنازعات کے سایہ تلے خطے کے مستقبل کے بارے میں امریکی وژن اور ایران کے خلاف جنگ کے بعد کے مرحلے میں مشرقِ وسطیٰ میں طاقت کے توازن کی از سرِ نو تشکیل کے لیے امریکی رجحانات کی نوعیت کو بیان کیا گیا ہے۔ نئے مشرقِ وسطیٰ کے لیے امریکی حکمت عملی (یا جسے علاقائی جنگ کے بعد کے منصوبے کہا جاتا ہے) کے بنیادی نکات ایسے اہم اسٹریٹجک ستونوں کے گرد گھومتے ہیں جن کے ذریعے ٹرمپ انتظامیہ خطے میں سیکیورٹی اور سیاسی اتحادوں کی از سرِ نو تشکیل کی کوشش کر رہی ہے، جیسا کہ خطے میں ایران کو لگام دینے یا اس کے اثر و رسوخ کو کنٹرول کرنے کے لیے مشترکہ دفاع کے مکہ معاہدے جیسا ایک عبرت ناک علاقائی اتحاد قائم کرنا، آبی گزرگاہوں اور توانائی کے راستوں کو محفوظ بنانا، امریکی وژن کے مطابق غزہ کے معاملے کو حل کرنا، ابراہیمی معاہدات کی توسیع اور یہودی وجود اور اس کی سیکیورٹی کے ساتھ تعلقات کو استوار کرنا، اقتصادی و تکنیکی انضمام، اور دفاعی اخراجات کی بنیاد پر نیٹو کی از سرِ نو ساخت سازی (یعنی شرکت کے عوض ادائیگی)، اس کے ساتھ ساتھ چین کا معاملہ شامل ہے۔

مختصر ترین الفاظ میں، یہ مشرقِ وسطیٰ کے اس خطے کی از سرِ نو تشکیل ہے جو دنیا کے دل میں تین براعظموں: ایشیا، افریقہ اور یورپ کے سنگم پر واقع ہے، اور عالمی توانائی کی منڈیوں کا بنیادی مرکز تسلیم کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ زبردست فوسل فیول (حفراتی ایندھن) اور قابلِ تجدید توانائی کے عظیم امکانات کا ایک منفرد امتزاج رکھتا ہے، اور اس کی آبادی 469 ملین (46 کروڑ 90 لاکھ) نفوس پر مشتمل ہے۔

اور یہاں یہ اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ: کیا امریکہ، تمام تر موجودہ چیلنجوں کے باوجود، کسی ایسے درمیانی یا علاقائی حلیف کے بغیر جو اس کے لیے طوقِ نجات بنے، اور تمام حریف فریقوں کو الگ تھلگ کیے بغیر، اکیلے اور براہِ راست مشرقِ وسطیٰ کی یہ از سرِ نو تشکیل کر سکتا ہے؟ اور کیا یہ نیا- پرانا استعماری منصوبہ کامیاب ہو سکے گا؟

## بالخصوص ترکی ہی کیوں؟

مشرقِ وسطیٰ کے نقشے پر ترکی کے موقع و محل کا تعلق ہے، تو ترکی قدیم دنیا کے براعظموں ایشیا، یورپ اور افریقہ کے سنگم پر واقع ہے، جو اسے ایک ایسا منفرد جیوپولیٹیکل موقع فراہم کرتا ہے جو اسے مشرق اور مغرب کے درمیان ایک پل اور حیاتیاتی گزر گاہ بناتا ہے۔ اور ترکی کی جیوپولیٹیکل اہمیت درج ذیل پہلوؤں میں مضمر ہے:

یہ دنیا کے ایسے مقام پر واقع ہے جو اسے آبی آبناؤں جیسے شمال میں بحیرہ اسود (Black Sea)، مغرب میں آبنائے باسفورس اور بحیرہ ایجیئن (Aegean Sea)، اور جنوب میں بحیرہ روم (Mediterranean Sea) پر کنٹرول فراہم کرتا ہے۔

یہ توانائی کی سیکیورٹی کے مرکز کی شکل اختیار کرتا ہے، کیونکہ یہ کیسپین سی (بحرِ قزوین) اور وسطی ایشیا سے یورپ تک TANAP اور TurkStream جیسے اسٹریٹجک پائپ لائنوں کے ذریعے گیس اور تیل کی منتقلی کی بنیادی گزر گاہ شمار ہوتا ہے۔

اسے تجارتی گڑھ (درمیانی راہداری / Middle Corridor) تصور کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ قدیم شاہراہِ ریشم اور نقل و حمل کے منصوبوں جیسے زنگیزور راہداری (Zangezur Corridor) اور ڈویلپمنٹ روڈ (Development Road) کے ذریعے ایشیا کو یورپ سے جوڑتا ہے، تاکہ یہ ایک عالمی تجارتی مرکز بن سکے۔

نیٹو (NATO) میں فوجی طاقت، کیونکہ یہ نیٹو اتحاد میں دوسری سب سے بڑی فوج اور واحد اسلامی ملک پر مشتمل ہے، جو مشرقِ وسطیٰ کے خطے میں اس کے سیکیورٹی کردار کو مضبوط بناتا ہے۔

علاقائی اور ثقافتی گہرائی، کیونکہ یہ ترک ریاستوں کی تنظیم (Organization of Turkic States) کے ذریعے وسطی ایشیا کے ممالک اور اپنے اسلامی و مشرقِ وسطیٰ کے ماحول کے ساتھ مضبوط روابط رکھتا ہے۔

یہ زراعت اور خوراک کے شعبے میں بڑی حد تک خود کفیل شمار ہوتا ہے، اور زرعی پیداوار میں یورپ میں پہلے اور عالمی سطح پر آٹھویں نمبر پر ہے، اور سینکڑوں قسم کی فصلیں پیدا کرتا ہے، یعنی یہ عالمی غذائی تحفظ میں سلامتی کا ضامن (سیفٹی والو) ہے۔

خطے میں رچی بسی تاریخی اور اسلامی گہرائی، کیونکہ یہ 624 سال تک خلافتِ عثمانیہ کا دارالحکومت رہا ہے، جبکہ 1683ء میں اپنے عروج کے وقت عثمانی سلطنت کا رقبہ تقریباً 5.2 سے 5.5 ملین مربع کلومیٹر تک پہنچ گیا تھا۔ اس طرح اگر صحیح سیاسی ارادے کی شرط موجود ہو، تو یہ ایک حقیقی ریاست کے تمام لوازمات رکھتا ہے۔

قدرتی وسائل جیسے معدنیات وغیرہ کا زبردست تنوع اور فراوانی، جن سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس سرزمین کو نوازا ہے۔

مشرقی بحیرہ روم میں گیس کے بہت بڑے ذخائر موجود ہیں جن کا تخمینہ 3 ہزار ارب (3 ٹریلین) مکعب میٹر سے زائد لگایا گیا ہے۔

بحیرہ روم کی تہہ میں تیل کی بڑی مقداریں موجود ہیں۔

**آنے والے مرحلے کے لیے ترکی کا طے شدہ کردار محض علاقائی نہیں بلکہ ایک مرکزی کردار ہے:**

جیسا کہ دانا قارئین اور سیاسی محققین دیکھ سکتے ہیں، یہ جیوپولیٹیکل حقائق امریکہ کی اشتہا کو بڑھاتے ہیں، اور یہی وہ چیز ہے جس نے اسے مجبور کیا کہ وہ زیادہ تر حساس اور پیچیدہ فائلوں، عراق، سوریا، لبنان، لیبیا، ایران، روس/یوکرین، قبرص، غزہ، بلکہ خلیج کے خطے، میں خطے کے اندر وکالت (پراکسی) کے ذریعے اپنی پالیسی کو نافذ کرنے کا کام ترکی کے سپرد کرے۔

اَردوغان ربع صدی سے زائد عرصے سے حکومت کر رہے ہیں اور انہوں نے ماضی میں بھی امریکی مفادات کی خدمت میں ان فائلوں کے ساتھ معاملہ کیا ہے، لیکن ایسا لگتا ہے کہ اس بار وہ امریکی وژن کے مطابق خطے کی از سرِ نو تشکیل کے لیے ایک علاقائی کردار سے بڑھ کر ایک مرکزی کردار ادا کریں گے۔ بالفاظ دیگر، اَردوغان آئندہ مرحلے کے لیے اپنے طے شدہ امریکی پالیسی کے وژن کو دو متوازی خطوط، سیاسی اور عوامی، پر نافذ کر رہے ہیں؛ سیاسی سطح پر وہ مشرقِ وسطیٰ کو امریکی سانچے میں ڈھالنے (امرکہ) کے لیے کام کر رہے ہیں، بالخصوص توانائی اور اس کی پیداوار اور مارکیٹنگ پر کنٹرول کی سطح پر، اور "ڈویلپمنٹ روڈ" کا منصوبہ ہم سے بعید نہیں ہے، جو ایک ایسا اسٹریٹجک زمینی اور ریلوے راہداری ہے جو

جنوبی عراق میں الفاؤ پورٹ کو ترکی کی سرحد سے جوڑتا ہے اور یورپ تک پہنچتا ہے، اور اس کا مقصد عراق اور ترکی کو سپلائی چینز کے عالمی تجارتی مرکز میں تبدیل کرنا ہے!

رہا عوامی سطح کا معاملہ، تو خطے میں " اُردوغانیت " کے روپ میں ترکی کے اثر ورسوخ میں اضافہ، ان تمام اسلامی رجحانات اور تطلعات کے ساتھ جو عوام کی تاریخی یادداشت میں محفوظ ہیں، عوامی سطح پر اس تاثر کے طور پر ابھرتا ہے کہ یہ اسلام مخالف کمالیت کے خلاف ایک لہر ہے۔ اور یہی ظاہر اپنے اندر ایک زبردست جوش وخروش پیدا کرتا ہے جسے عام لوگ خطے کی " عثمانیت " سمجھتے ہیں نہ کہ اس کے برعکس۔ سیاست کے بنیادی اصولوں میں سے یہ بات ہر خاص وعام کو معلوم ہونی چاہیے کہ اسلامی ممالک کی تمام حکمران سیاسی اشرافیہ، بشمول اُردوغان اور ان کی پارٹی (جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی)، سیاسی طور پر اسلام کے مطابق نہیں سوچتے، بلکہ اسی طرح سوچتے ہیں جیسا کہ مغرب ان سے چاہتا ہے؛ چنانچہ ان کی سیاسی فکر اور سیاسی نتائج امریکی منصوبوں کی تکمیل ہیں، نہ کہ مسلمانوں کے امور کی نگہداشت۔

امریکہ ہمارے ساتھ صرف طاقت اور اثر ورسوخ کے نقطہ نظر سے معاملہ کرتا ہے، اور اقدار، اخلاقیات اور نظریاتی خصوصیات کا بالکل لحاظ نہیں رکھتا، لیکن وہ یہ بھول گیا ہے یا خود کو بھلا چکا ہے کہ ایران پر اپنی جنگ سے پہلے کا امریکہ، اس کے بعد کا امریکہ نہیں رہا۔ وہ آج معاشی، اخلاقی اور سیاسی طور پر شدید اندرونی بحرانوں کا شکار ہے؛ چنانچہ جس سیاسی رعب ودبدبے کو اس نے قائم کیا تھا اور ایک طویل عرصے تک جس کے ذریعے اپنی حفاظت کی تھی، وہ غزہ میں یہودی جنگ کے دوران، جسے اس نے خود چلایا تھا، خاک میں مل چکا ہے، اور جس " اخلاقی ماڈل " کا وہ ڈھنڈورا پیٹا کرتا تھا، اب دنیا کی اقوام میں اس کی کوئی پذیرائی نہیں رہی۔ نسل کشی کی اس جنگ نے انسانی حقوق، حقوقِ نسواں اور دیگر تمام مغربی اقدار کا پردہ چاک کر دیا ہے، یوں سچائی دور ونزدیک کے تمام لوگوں پر عیاں ہو چکی ہے۔

امریکہ اسلامی ممالک کے لیے جو منصوبے بنا رہا ہے، انہیں طویل المدت بنیادوں پر کامیابی نصیب نہیں ہو گی، کیونکہ بے راہ روی اور تنزلی ایک ایسی واضح حالت ہے جسے سیاسی تجزیہ کار دیکھ سکتے ہیں، اور اسلامی اقوام کی پختگی اور اسلام کے لیے ان کی تشنہ کامی کافرِ مستعمر کے لیے ایک ایسی دشوار گزار اور ناقابلِ تسخیر رکاوٹ ہے۔

لبرل ڈیموکریسی کا بحران اور روایتی ڈھانچوں سے ہٹ کر نظامِ حکومت کے متبادل ماڈلز کی تلاش کی رفتار مغرب کے فلسفیوں اور سیاسی مصنفین کے ہاں حالیہ برسوں میں تیز تر ہو چکی ہے۔ جی ہاں، میں امریکہ سے اس بات پر اتفاق کرتا ہوں کہ مشرقِ وسطیٰ کا خطہ ایک بنیادی اسٹریٹجک اور جیو پولیٹیکل تبدیلی کی دہلیز پر ہے، لیکن یہ تبدیلی امریکی پیمانے

کے مطابق نہیں ہو گی، بلکہ اپنے صحیح عقیدے، روشن شریعت اور نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے ساتھ اسلامِ عظیم کے پیمانے کے مطابق ہو گی، جس کی بشارت صادق و امین نبی کریم ﷺ نے دی تھی۔ اور اس تبدیلی سے ہمارے درمیان اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن اور اس پر بہترین توکل کے سوا کوئی چیز باقی نہیں ہے، اور اس کے بعد ان مخلصین کی جدوجہد باقی ہے جو اپنے نبی ﷺ کے منہج و سیرت کی اقتدا کریں اور خود کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے وقف کر دی۔

# اے پاکستان کے مخلص سپاہیو! کیا تم اس بات کو گوارا کرتے ہو کہ مغضوب علیہم اور ضالین کے مددگار بنو؟!

اے پاک فوج کے مخلص افسرو! کیا تمہیں اسلام کے نام، جس کے نظریے اور بنیاد پر تمہاری ریاست کا قیام عمل میں آیا تھا، پر اور اسلامی سرزمینوں کے دفاع کے لیے تربیت اس لیے دی گئی تھی تاکہ تم وہ ناپاک کام انجام دو جن سے کفر کا سرغنہ امریکہ اور اس کے ساتھ یہودی وجود بھی عاجز آچکے ہیں؟! کیا تم ایک ہی وقت میں ان کے انصار و مددگار بننا قبول کرتے ہو جن پر غضب نازل ہوا اور جو گمراہ ہیں؟! آخر تم اپنے ان کمانڈروں کے رویے پر خاموش کیسے رہ سکتے ہو جو تمہیں اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کی خدمت کے لیے استعمال کر رہے ہیں؟! تم پر لازم ہے کہ اس سے پہلے اپنے معاملے کا تدارک کرو کہ تمہیں کسی ایسی جنگ کے دہکتے ایندھن میں جھونک دیا جائے جس میں قاتل اور مقتول دونوں جہنم کی آگ میں ہوں گے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا، فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ» "جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے سے بھڑ جائیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں ہوں گے۔" (رواہ البخاری و مسلم)

تم پر لازم ہے کہ تم اپنے عسکری و سیاسی اداروں کو ان تمام لوگوں سے پاک کرو جو خطے میں استعماری امریکہ کے مفادات کو پورا کرنے کے لیے کام کر رہے ہیں، اور یہ جان لو کہ جس طرح افغانستان اور سرحدی علاقوں میں امریکہ کی جنگوں میں، اور ان استعماری مشنز میں جنہیں دنیا میں امن مشنز کا نام دیا جاتا ہے، ہمارے پاکباز سپاہیوں کا خون بہایا گیا، اسی طرح تمہارے یہ حکمران و قائلین واشنگٹن میں موجود اپنے صلیبی آقا کے مفادات کے لیے ایران میں تمہارا خون بہانے میں بھی ذرا برابر تذبذب کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ لہٰذا ان کو اقتدار سے ہٹانے میں جلدی کرو، اور الخلافۃ الراشدۃ علی منھاج النبوۃ (منہاجِ نبوت پر خلافتِ راشدہ) کے قیام کے لیے حزب التحریر کو اپنی نصرت و حمایت دو، تاکہ وہ تمہاری قیادت کرتے ہوئے المسلمین کی سرزمینوں کو خشکی اور سمندر سے امریکہ، یہودیوں اور تمام استعمار کی ناپاکی سے پاک کر دے۔

# برکس: کیا عالمی نظام بدل رہا ہے؟ یا اس کے اندر طاقت کے مراکز تبدیل ہو رہے ہیں؟

**تحریر: انجینئر وسام الاطرش**

**(ترجمہ)**

12 ستمبر 2026ء کو بھارت میں برکس (BRICS) کے رہنماؤں کا اجلاس منعقد ہوا، جو "نئی دہلی اعلامیے" کی منظوری پر اختتام پذیر ہوا۔ اس اعلامیے میں گروپ نے کثیر الجہتی (multilateralism) کو فروغ دینے، عالمی حکمرانی کے اداروں میں اصلاحات لانے، ابھرتی ہوئی معیشتوں اور ترقی پذیر ممالک کی نمائندگی بڑھانے اور ایک "زیادہ عادلانہ اور منصفانہ" بین الاقوامی نظام کی تعمیر کے عزم کا اعادہ کیا۔

ان نتائج نے ایک بار پھر اس سوال کو سامنے لا کھڑا کیا ہے جو برکس کے قیام کے وقت سے ہی اس کے ساتھ منسلک رہا ہے: کیا یہ مغربی غلبے کو محدود کرنے کا ایک حقیقی ذریعہ ہے، یا پھر یہ متضاد مفادات کا ایسا مجموعہ ہے جو بین الاقوامی نظام کے لیے کوئی متبادل نظریہ رکھے بغیر محض طاقت کے توازن کو تبدیل کرنا چاہتا ہے؟

### برکس: غلبے کا توازن، نہ کہ ایک ہم آہنگ بلاک کی تعمیر

سب سے پہلے، اس بات کو یاد رکھنا ضروری ہے کہ برکس کا قیام بنیادی طور پر عالمی سرمایہ دارانہ نظام کو گرانے کے لیے نہیں ہوا تھا۔ "برک" (BRIC) کی اصطلاح 2001ء میں گولڈمین ساکس بینک کے ماہرِ معیشت جِم او نیل نے وضع کی تھی، تاکہ امریکی یک قطبی غلبے کے سایے تلے برازیل، روس، بھارت اور چین کو ابھرتی ہوئی معیشتوں کے طور پر بیان کیا جا سکے۔ بعد میں یہ اصطلاح سیاسی اور معاشی تعاون کے ایک فریم ورک میں ڈھل گئی؛ چنانچہ اس کے اجلاس 2006ء میں شروع ہوئے، پہلی سربراہی کانفرنس 2009ء میں منعقد ہوئی، اور پھر 2010ء میں جنوبی افریقہ کی شمولیت کے بعد اس کا نام "برکس" (BRICS) ہو گیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ جس درجہ بندی نے مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے اندر جنم لیا تھا، وہ ایک ایسے اتحاد میں بدل گئی جو اسی نظام کے اندر طاقت کی از سرِ نو تقسیم، مغربی غلبے کو محدود کرنے اور ابھرتی

ہوئی طاقتوں کے اثر و رسوخ کو بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے، بغیر اس کے کہ وہ سرمایہ دارانہ نظام سے باہر نکلنے یا عالمی معاشی نظام کو منہدم کرنے کا کوئی روڈ میپ پیش کرے۔

تاہم، برکس کی توسیع نے اسے زیادہ ہم آہنگ بنانے کے بجائے مزید متضاد بنا دیا ہے۔ بھارت امریکہ کے ساتھ بڑھتی ہوئی اسٹریٹجک شراکت داری قائم رکھے ہوئے ہے اور اپنے ایشیائی پڑوس میں چین کا مقابلہ کر رہا ہے، جبکہ روس امریکہ کے ساتھ براہِ راست ٹکراؤ سے خائف ہے اور اس کے شعبہ ہائے اثر میں اسے چیلنج کرنے سے گریز کرتا ہے، نیز وہ اس بات کا بھی حریص ہے کہ چین کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو خود اپنے اوپر غلبے میں نہ بدلنے دے۔ مزید بر آں، عرب ممالک اور ایران کی شمولیت نے پیچیدہ علاقائی توازنات اور کشمکش کو جنم دیا ہے۔ ایران کو ایسے حریفوں کا سامنا ہے جن میں سے کچھ کے واشنگٹن کے ساتھ گہرے تعلقات ہیں، جبکہ سعودی عرب امریکہ کے ساتھ اپنے اسٹریٹجک تعلقات کو برقرار رکھے ہوئے ہے اور اس نے سربراہی اجلاس میں صرف اپنے وزیرِ خارجہ کی نمائندگی پر اکتفا کیا۔ اس کے باوجود، برکس ان تمام متضاد فریقوں کو ایک چھت تلے جمع کرنے میں کامیاب رہی ہے۔

ان تضادات کی گہرائی گزشتہ مئی میں اس وقت سامنے آئی جب مشرقِ وسطیٰ میں جاری جنگ پر اختلافات کی بنا پر برکس کے وزرائے خارجہ کا اجلاس کوئی مشترکہ اعلامیہ جاری کرنے میں ناکام رہا، اس سے قبل کہ نئی دہلی سربراہی اجلاس ایک ایسا مشترکہ اعلامیہ جاری کر کے اس امتحان سے سرخرو ہوتا جس میں "انتہائی درجے کے ضبطِ نفس"، مکالمے اور سفارت کاری کی اپیل کی گئی۔ اس تناظر میں، ایرانی صدر مسعود پزشکیان کی شرکت کوئی معمولی بات نہیں تھی؛ وہ ان ممالک کے رہنماؤں کے ساتھ بیٹھے جن کے امریکہ کے ساتھ گہرے تعلقات ہیں، اور انہوں نے خلیجی ممالک کو اعتماد میں لینے اور مذاکرات کے راستے کھولنے کی کوشش کی، چنانچہ انہوں نے ابوظہبی کے ولی عہد سے ملاقات بھی کی۔ برکس کی اصل اہمیت یہی چھپی ہے: یہ ضروری نہیں کہ اپنے ارکان کے تنازعات کو حل کرے، لیکن یہ ایک ایسا فریم ورک فراہم کرتی ہے جہاں حریف ایک ساتھ بیٹھتے ہیں بغیر اس کے کہ واشنگٹن ان کے بیٹھنے کے قواعد طے کرے۔ یوں مغربی مرکز سے ہٹ کر جوڑ توڑ کا دائرہ وسیع ہوتا ہے، لیکن ساتھ ہی گروپ کی توسیع اس کے اندرونی تضادات کو بھی بڑھا دیتی ہے۔

## چین: طاقت کے توازن سے ڈھانچے کے کنٹرول تک

پھر اگر روس اور چین ایک ایسے عالمی نظام کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں جو زیادہ کثیر القطبی (multipolar) ہو، تو چین کے پاس ایک اضافی ہتھیار بھی موجود ہے: صنعتی اور ٹیکنالوجیکل طاقت۔ صدر شی جن پنگ نے سربراہی اجلاس

میں مصنوعی ذہانت (AI) کے شعبے میں صنعتی تعاون کو گہرا کرنے، تحقیق، ترقی اور اطلاق کے نتائج کے تبادلے، اور صنعت و سپلائی چینز میں تعاون کو فروغ دینے کی دعوت دی۔ اس رخ نے اجلاس کے اعلامیے کو بھی متاثر کیا، چنانچہ اس میں ٹیکنالوجی کی منتقلی اور زیادہ قدر و قیمت والے صنعتی مراحل میں ترقی پذیر ممالک کی شرکت بڑھانے کے چرچے غالب رہے۔

تاہم، یہ نعرے جو چین کے صنعتی عروج سے مرعوب افراد کو اپنی طرف مائل کر سکتے ہیں، معاشی اثر و رسوخ کی رقابت کی حقیقت کو چھپا نہیں سکتے۔ یہ اعلانیہ تعاون عملی طور پر سپلائی چینز پر چین کے اثر و رسوخ کی توسیع، اور اسلامی ممالک سے خام مال کے حصول میں اس کی پوزیشن کو مضبوط کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے، جبکہ صفائی، تصفیہ، اعلیٰ درجے کی مینوفیکچرنگ اور قیمتی ٹیکنالوجی کے تمام مرحلے ان اسلامی ممالک سے باہر ہی مرکوز رہیں گے۔

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب نے خود اس طاقت کو بنانے میں حصہ ڈالا ہے جس سے وہ آج خائف ہے: اس نے اپنی پیداوار چین منتقل کی، اسے دنیا کا کارخانہ بنایا، اور پھر اسے معلوم ہوا کہ یہ کارخانہ صرف سامان ہی تیار نہیں کرتا بلکہ سپلائی چینز کی چابیاں بھی اسی کے پاس ہیں۔ اسی لیے چین کے اثر و رسوخ سے موجودہ مغربی تشویش ان معاشی فیصلوں سے الگ نہیں ہے جو مغربی کمپنیوں اور ریاستوں نے خود دہائیوں کے دوران اختیار کیے تھے۔

## حساس معدنیات: کشمکش کا نیا میدان

حساس معدنیات (critical minerals) کا موضوع اس سربراہی اجلاس میں بھارت کا کوئی سرسری قدم نہیں تھا، بلکہ نئی دہلی اعلامیے کے پیراگراف 67 میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر آیا، جس میں حساس معدنیات کے لیے ایسی سپلائی چینز کے قیام کی دعوت دی گئی جو قابلِ اعتماد، متنوع، لچکدار اور عادلانہ ہوں، نیز وسائل سے مالا مال ممالک میں منافع کی تقسیم، ویلیو ایڈیشن اور معاشی تنوع کو یقینی بنایا جائے۔ اعلامیے نے ان معدنیات کو توانائی کے تحفظ اور سپلائی چینز کی لچک سے بھی جوڑا، اور دیگر مقامات پر زیادہ قدر والی مینوفیکچرنگ اور ٹیکنالوجی کی منتقلی میں ترقی پذیر ممالک کی شرکت بڑھانے کی اپیل کی۔

حساس معدنیات سے مراد صرف نایاب معدنیات (rare earth metals) ہی نہیں ہیں، بلکہ حساس معدنیات ایک وسیع تصور ہے جس میں اینٹیمنی (Antimony)، گیلیئم (Gallium)، جرمینیم (Germanium) اور ٹنگسٹن (Tungsten) جیسے مواد شامل ہیں۔ ان کی "حساس" نوعیت ان کی معاشی اور اسٹریٹجک اہمیت کی وجہ سے ہے، جبکہ ان

کی فراہمی میں تعطل یا مخصوص ممالک میں ان کے تمرکز کے خطرات لاحق رہتے ہیں۔ ان کا مسئلہ عالمی سرمایہ دارانہ معیشت کے ڈھانچے میں ایک گہرے بگاڑ کو بے نقاب کرتا ہے: وسائل سے مالا مال ممالک کو اکثر خام مال برآمد کرنے تک ہی محدود رکھا جاتا ہے، جبکہ صفائی، مینوفیکچرنگ اور ٹیکنالوجی کے عمل، جو کہ سب سے زیادہ قیمتی حلقے ہیں، بڑی صنعتی ریاستوں کے پاس مرکوز رہتے ہیں۔ چنانچہ حساس معدنیات کے گرد کشمکش جوہر کے اعتبار سے اس بات کی کشمکش ہے کہ الموارد کا مالک کون ہے، ان میں ویلیو کون ایڈ کرتا ہے، اور ان سے جڑی صنعتی و ٹیکنالوجیکل زنجیروں پر کس کا کنٹرول ہے۔

دوسری طرف، چین پر انحصار کے حوالے سے مغرب کی تشویش مسلسل بڑھ رہی ہے۔ "گووینی" (Govini) کی ایک تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ امریکی فوج کے تقریباً 1900 اسلحہ سسٹمز میں 80 ہزار سے زائد پرزے پانچ حساس معدنیات میں سے ایک یا ایک سے زیادہ کا استعمال کرتے ہیں: اینٹیمنی، گیلیئم، جرمینیم، ٹنگسٹن اور ٹیلوریم (Tellurium)؛ جس کا مطلب یہ ہے کہ امریکی وزارتِ جنگ (پینٹاگون) کے تقریباً 78 فیصد اسلحہ سسٹمز ان سپلائی چینز سے متاثر ہونے کے خطرے سے دوچار ہیں۔

چین کو ان پانچوں معدنیات کی پیداوار، ان کی پروسیسنگ اور ان کی عالمی سپلائی چینز پر زبردست غلبہ حاصل ہے، جس کے باعث گیلیئم، جرمینیم، اینٹیمنی وغیرہ کی برآمدات پر چینی پابندیاں امریکہ کے لیے براہِ راست تشویش کا باعث بن گئی ہیں۔ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے اب سپلائی چینز کو محض ایک معاشی معاملہ سمجھنے کے بجائے قومی سلامتی کا مسئلہ ماننا شروع کر دیا ہے۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ چین کی طرف سے اس طاقت کا استعمال مغرب کو متبادل سپلائی چینز کی تعمیر تیز کرنے پر مجبور کر سکتا ہے، تاکہ اس پر انحصار ختم کیا جا سکے۔

## کثیر القطبی دنیا سے مبدأ (آئیڈیالوجی) کے سوال تک

برکس اب زیادہ وسیع اور بھاری بھر کم ہو چکا ہے، اور مغربی نظام کے غلبے پر محض اعتراض کرنے کی سطح سے نکل کر ایسے مالی، صنعتی اور ٹیکنالوجیکل وسائل کی تعمیر کی کوشش کر رہا ہے جو اس پر انحصار کو کم کر دے۔ لیکن یہ اپنے بنیادی تضاد سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکا: وہ مغرب سے زیادہ آزاد نظام کیسے قائم کر سکتا ہے جبکہ چین اس گروپ کے اندر سب سے بھاری صنعتی اور ٹیکنالوجیکل طاقت بنا ہوا ہے؟ اور کیا کثیر القطبی نظام کا مطلب لازمی طور پر عدل و انصاف ہے، یا بین الاقوامی تعلقات کا منطق طاقت، مفاد اور اثر و رسوخ ہی پر قائم رہے گا؟

آج جس چیز کی ضرورت ہے وہ محض ایک فاسد سرمایہ دارانہ نظام کے اندر مسلط قطب کی تبدیلی نہیں ہے، بلکہ وہ مبدأ (آئیڈیالوجی) ہے جسے اقوام کے درمیان تعلقات کو قائم رکھنا چاہیے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں حزب التحریر کی دعوت ایک متبادل تہذیبی ماڈل کی پیش کش کے طور پر ابھرتی ہے، نہ کہ محض ایک نئے جیو پولیٹیکل محور کے طور پر۔ اور یہ تہذیبی پروجیکٹ جو کہ 'خلافتِ راشدہ' کی صورت میں مجسم ہوتا ہے، صرف طاقت کی از سرِ نو تقسیم پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ ایک ایسا معیار پیش کرتا ہے جو خود طاقت پر حکمرانی کرتا ہے، اور وہ ہے اسلام؛ تاکہ ریاستوں کے درمیان تعلقات عدل، حق اور عہد کی پاسداری پر قائم ہوں، اور معاشی یا عسکری طاقت کو غلبے کے حق اور قوموں کو مقہور کرنے اور ان کا خون چوسنے کی خواہش میں بدلنے سے صاف انکار کیا جا سکے۔

پس، برکس مغربی مرکز کے بعض آلات و وسائل کو کمزور کرنے میں تو شاید کامیاب ہو جائے، لیکن وہ اپنے اندر اس دنیا کا کوئی جامع تصور نہیں رکھتا جسے وہ تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ اور یہی وہ حقیقی خلا ہے: یہ طاقت کا خلا نہیں، بلکہ مبدأ (آئیڈیالوجی) کا خلا ہے، اور یہ ایک ایسا اسٹریٹیجک تہذیبی خلا ہے جسے اللہ کے حکم سے عنقریب آنے والی اسلامی ریاست کے سوا کوئی پُر نہیں کر سکے گا، ﴿وَعْدَ اللَّهِ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾. (یہ) اللہ کا وعدہ ہے، اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ [سورۃ الروم: آیت 6]

# حزب التحریر / ولایت سوڈان کے معززین و شخصیات سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے

پیر کے روز 14/9/2026 کو، حزب التحریر / ولایت سوڈان کے ایک وفد نے، جس کی قیادت ولایت سوڈان میں پارٹی کی مرکزی رابطہ کمیٹی کے رکن استاد عبد اللہ حسین کر رہے تھے اور ان کے ہمراہ حزب التحریر کے رکن انجینئر عوض الھادی تھے، حزب دولۃ القانون والتنمیۃ کے سکریٹری برائے فکر و نظریات استاد مکی محمد عبد الرحمن سے ام درمان کے علاقے القتیجاب میں واقع ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی۔ اس موقع پر ان کے ساتھ حزب دولۃ القانون والتنمیۃ کے سیاسی سکریٹری استاد معتصم عثمان بھی موجود تھے۔

ملاقات میں سوڈان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے امریکی منصوبے پر تبادلہ خیال کیا گیا، جو کہ دارفور کو الگ کرنے کی صورت میں ہے اس جنگ کے ذریعے جو امریکہ نے اپنے کارندوں کے درمیان چھیڑ رکھی ہے، نیز حکومت سے اسلام کو دور کرنے اور اس پر اپنے سیکولر نظام کو مسلط کرنے کی کوششوں پر بات کی گئی۔ اور یہ کہ اصل چیلنج عمومی طور پر مغربی منصوبے اور خصوصاً امریکی منصوبے کا مقابلہ ایک ایسے متبادل منصوبے سے کرنا ہے جو اس ملک کے باشندوں کے عقیدے یعنی اسلامِ عظیم کے عقیدے کی عکاسی کرتا ہو، جو کہ خلافت کی ریاست کے سایے میں ممکن ہے۔ اور یہ کہ حزب التحریر خلافت کے اس منصوبے کی جدوجہد میں اپنے ساتھ شامل کرنے کے لیے امت اور سیاسی میدان کے مخلصین کو بیدار اور متحرک کر رہی ہے۔

اس کے بعد استاد معتصم عثمان نے گفتگو کرتے ہوئے اس دورے اور ملاقات کو سراہا، اور مسلم ممالک کے بارے میں کافر مستعمر مغرب کی سازشوں اور منصوبوں سے امت کو بیدار کرنے، اور خلافت کے سایے میں مسلمانوں کے اتحاد کے ذریعے اس کا مقابلہ کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔ پھر استاد مکی محمد عبد الرحمن نے بات کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایک ایسی ریاست کے ساتھ ہیں جو مسلمانوں کو متحد کرے؛ یعنی خلافت، جو افسوس کے ساتھ بہت سی اسلامی جماعتوں کی ترجیحات میں شامل ہی نہیں ہے۔

اسی طرح، بدھ 16/9/2026 کو، حزب التحریر / ولایت سوڈان کی مرکزی رابطہ کمیٹی کے چیئرمین استاد ناصر رضا کی قیادت میں، جس میں کمیٹی کے رکن استاد عبد اللہ اسماعیل بھی شامل تھے، ایک وفد نے بحرِ احمر ریاست میں ہوسا قبیلے کے امیر استاد صالح عبد الرحمن سے ملاقات کی، جن کے ہمراہ عمدۃ حسن ایوب اور استاد مختار حمزہ بھی موجود تھے۔

ملاقات کے دوران ناصر رضا نے ملک کی ابتر صورتحال کا جائزہ پیش کیا؛ جن میں کمر توڑ مہنگائی، روز بروز بڑھتی ہوئی ڈالر کی قیمت، حکومت کی عدم مسؤلیت، اور ان سب سے بڑھ کر خطرناک بات، کافر مستعمر مغرب کے منصوبے کی تکمیل کے لیے ملک کو خانہ جنگی میں دھکیلنا شامل ہے، جو ملک کی تقسیم چاہتا ہے۔ اس لیے اسلامی منصوبے یعنی الخلافۃ الراشدۃ علی منہاج النبوۃ (منہاجِ نبوت پر خلافتِ راشدہ) قائم کر کے ان کے راستے کو روکنا ناگزیر ہے، جو اس مجرمانہ سازش کا خاتمہ کر دے گی۔ اس کے بعد امیر ہوسا نے حزب التحریر کا اس اسلامی منصوبے کو اٹھانے پر شکریہ ادا کیا اور کہا: "ہم آپ کی پیش کردہ تمام باتوں سے اتفاق کرتے ہیں، اسلام کے سوا کوئی حل نہیں ہے۔" اسی طرح ہفتہ 19/9/2026ء کو، استاد ناصر رضا کی قیادت میں ایک وفد نے، جس میں حزب التحریر / ولایت سوڈان کی مجلس کے اراکین استاد محیی الدین بخاری اور ڈاکٹر احمد عبد الفضیل، نیز پارٹی اراکین: اساتذہ خالد الجضیع، فضل اللہ علی سلیمان اور عبد الوہاب محمد عبد الوہاب شامل تھے، اپنے پہلے دورے میں الخرطوم بحری کے علاقے حی کوبر میں دار حمر قبائل کی شوریٰ کونسل کے چیئرمین استاد عبد الحی صافی الدین ناجح سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی۔

ملاقات کے آغاز میں استاد عبد الحی نے سوڈان کی جنگ، ریاست و معاشرے پر اس کے اثرات اور اس کے نتیجے میں ہونے والی تباہی و بربادی پر بات کی۔ اس کے بعد استاد ناصر نے گفتگو کرتے ہوئے اس تیار کردہ منصوبے کے خطرات کو واضح کیا؛ جس میں قبائل کو متحرک و مسلح کرنا اور ملک کو توڑنے والی جنگوں میں دھکیلنا شامل ہے، اور یہ کہ اس کا حل مستعمر کفر کی سازشوں کا شعور حاصل کرنا اور اسلامی ریاست یعنی الخلافۃ الراشدۃ علی منہاج النبوۃ (منہاجِ نبوت پر خلافتِ راشدہ) کے قیام کے لیے کام کرنا ہے۔ اس پر استاد عبد الحی نے اس بات کی تصدیق کی کہ عقیدہ و شریعت کے طور پر اسلام کے سوا کوئی حل نہیں ہے، پھر انہوں نے اس دورے پر وفد کا شکریہ ادا کیا۔

اور دوسرے دورے میں وفد نے خرطوم میں کواہلہ قبیلے کے امیر استاد محمد الزین فضل المولیٰ ابو حفص سے ام درمان شہر کے علاقے الثورہ میں واقع ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی، جہاں ملاقات کے آغاز میں امیر کواہلہ نے سوڈان میں جنگ،

اور ریپڈ سپورٹ فورسز کی جانب سے ڈھائے جانے والے مظالم اور املاک کی لوٹ مار پر بات کی، اور کہا کہ اس کا بنیادی سبب لوگوں کا اسلام کی طرف نہ لوٹنا ہے۔

پھر استاد ناصر نے بات کرتے ہوئے واضح کیا کہ یہ جنگ باہر سے چلائی جا رہی ہے، انہوں نے قبائل کو اس جنگ میں گھسیٹنے اور انہیں قبائلی بنیادوں پر مسلح کرنے کے خطرات سے خبردار کیا، اور یہ کہ اس سے مستعمر کافر کی ان کوششوں کو تقویت ملتی ہے جو ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی تلاش میں ہے، اور یہ کہ اس کا واحد حل اسلام میں الخلافۃ الراشدۃ علی منھاج النبوۃ (منہاجِ نبوت پر خلافتِ راشدہ) کے قیام کے ذریعے ہے، اور انہوں نے امیر سے خلافت کے اس منصوبے کی نصرت و مدد کی اپیل کی۔ اس پر امیر نے کہا: "جب تک آپ اسلام کے ساتھ ہیں ہم آپ کے ساتھ ہیں"، اور انہوں نے باہمی رابطہ برقرار رکھنے کی ضرورت پر زور دیا۔

# جہازوں کا تحفظ یا امریکی بالادستی کا تحفظ؟

تحریر: محمود اللیثی

(ترجمہ)

اسلامی خطے کے خلاف امریکہ کی سرپرستی میں جاری صلیبی یلغار کے معاملے میں ملوث امریکی ایجنٹ اپنے امریکی آقا کے مقاصد کے حصول کے لیے پوری تندہی اور طاقت کے ساتھ متحرک ہیں۔ ان مقاصد کا اصل مدعا جغرافیائی اور نظریاتی لحاظ سے امتِ مسلمہ اور اس کے وسائل پر قابو مضبوط کرنا ہے، اور ان کامیابیوں کو بنیادی ذریعہ بناتے ہوئے مغربی و مشرقی دنیا، چاہے وہ یورپی ہوں، چینی ہوں یا ان کے پیچھے کھڑی دیگر قوتیں، کو اس امریکی معبود کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنا ہے جو بین الاقوامی موقف پر مکمل اجارہ داری قائم کیے ہوئے ہے، دنیا کی اقوام پر مسلط ہے اور ان کی دولت و وسائل کو لوٹ رہا ہے۔

جس طرح پاکستان میں امریکہ کے من پسند ایجنٹ، یعنی وہاں کی سیاسی و عسکری قیادت، انقرہ کے منافق کے ساتھ مل کر آگے بڑھ رہی ہے تاکہ آلِ سعود کی ریاست کے ساتھ قائم کردہ اتحاد کے ذریعے دونوں ملکوں میں امت کی فوجی صلاحیتوں کو دنیا کو امریکی معبود کے سامنے سرنگوں کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکے، بالکل اسی طرح مصر کا حکمران ٹولہ بھی بلاواسطہ یا بالواسطہ اس اتحاد میں شامل ہونے کے لیے کسی طور کم تیار نہ تھا۔ مصر کے حکمران ٹولے کی تاریخ اللہ سبحانہ وتعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے ساتھ خیانت، ان سے دشمنی اور یہودیوں و عیسائیوں میں سے کافروں سے وفاداری کی وجہ سے معروف ہے؛ قاہرۃ المعز سے محض چند میٹر کے فاصلے پر واقع غزۃ ہاشم کے مظلوموں سے خیانت اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دینا اسی خیانت کی ایک واضح مثال ہے۔

اسی پس منظر میں سعودی "قصاب" ابن سلمان نے 15 ستمبر 2026 کو اپنے ہم منصب سیسی کا دورہ کیا۔ قاہرہ میں اپنی گفتگو کے دوران اس نے بحری سیکیورٹی اور آبنائے ہرمز، آبنائے باب المندب اور بحرِ احمر میں جہاز رانی کی آزادی کو محفوظ بنانے کی اہمیت پر زور دیا۔ مصری صدارت کے ایک بیان میں کہا گیا کہ سیسی اور ابن سلمان نے "آبنائے ہرمز، آبنائے باب المندب اور بحرِ احمر میں بحری جہاز رانی کی آزادی اور سیکیورٹی کو یقینی بنانے سے متعلق مشترکہ مصری-سعودی موقف" کا اعادہ کیا۔ سیسی نے اس بات پر زور دیا کہ سعودی عرب اور خلیجی ریاستوں کی سیکیورٹی مصر کی قومی

سیکیورٹی کالا ینفک حصہ ہے، اور قاہرہ نے "مملکت" کی خود مختاری، استحکام یا علاقائی سالمیت کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی بحری راہداریوں میں جہاز رانی کی آزادی کو نشانہ بنانے والے کسی بھی حملے یا دھمکی کی مذمت کی۔ دونوں فریقین نے اس بات پر بھی زور دیا کہ موجودہ علاقائی حالات دونوں ممالک کے درمیان مزید یکجہتی اور ہم آہنگی کے تقاضا کرتے ہیں، ایسے وقت میں جب خطہ بڑھتی ہوئی کشیدگی کا شکار ہے جو تجارتی راستوں اور توانائی کی فراہمی کے لیے خطرہ بنی ہوئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دونوں فریقوں کو اکٹھا کرنے والی چیز اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ ان جہازوں کی آمد و رفت کو یقینی بنایا جائے جو امت کی دولت لوٹتے ہیں اور اسے مغرب میں موجود اپنے استعماری آقاؤں کو برآمد کرتے ہیں، یا دوسرے الفاظ میں، بحران کو اس انداز میں سنبھالا جائے جو ان کے واحد آقا یعنی امریکہ کے مفادات کی خدمت کرتا ہو۔ یہ سب کچھ ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب حوثی باب المندب سے امریکی جہازوں، اور صرف امریکی جہازوں، کو گزرنے کی اجازت دے رہے ہیں، جس کی بنیاد حوثیوں اور امریکہ کے درمیان گزشتہ سال طے پانے والا ایک معاہدہ ہے جو امریکی جہازوں کو بحرِ احمر میں جہاز رانی کی آزادی اور آبنائے سے گزرنے کا حق دیتا ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ دونوں فریق غیر امریکی جہازوں کو روکنے کے لیے اٹھائے گئے اقدامات کو برقرار رکھنے پر متفق ہیں۔ جس طرح امریکہ نے کبھی ایران کو ہوا بنا کر اپنے ساتھ کھڑی خلیجی ریاستوں اور برطانیوں دونوں کو بلیک میل کرنے کے لیے استعمال کیا تھا، بالکل اسی طرح اب وہ جنگی حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پوری دنیا کو، بشمول یورپ، چین اور ان کے اثر و رسوخ کے شعبوں کو، بلیک میل کر رہا ہے۔ یہ سب ایسے پس منظر میں ہو رہا ہے جہاں روس یوکرین میں الجھا ہوا ہے اور چین کے ساتھ اتحاد یا یورپ کے ساتھ مصالحت کے لیے اس کے پاس کوئی سیاسی افق موجود نہیں ہے۔

اس تناظر میں سیسی نے مصر کی جانب سے ان اقدامات کی حمایت کا اعادہ کیا جو سعودی عرب اپنی سیکیورٹی اور استحکام کے تحفظ کے لیے اٹھا رہا ہے، جس کا عملی مطلب خطے میں امریکی مفادات کا تحفظ ہے۔ اس میں حوثیوں کے خلاف دشمنی اور کھلی جنگ کا ڈرامہ رچاتے ہوئے ان کے مخالفین، یعنی یمن میں برطانوی ایجنٹوں، کو نشانہ بنانے اور ان پر بمباری کرنے کے ذریعے حوثیوں کو طاقتور بنانا بھی شامل ہے۔ یہی وہ پالیسی ہے جس نے حال ہی میں حوثیوں کو اہم پیشرفت حاصل کرنے کے قابل بنایا ہے؛ چنانچہ گزشتہ ہفتے انہوں نے بحرِ احمر اور آبنائے باب المندب پر واقع یمن کے مغربی ساحل کے حصوں پر کنٹرول حاصل کر لیا۔ سعودی عرب کے اقدامات کی سیسی کی جانب سے توثیق اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ وہ ایک ایسے آپریشن میں شامل ہونے کے لیے تیار اور حامی ہیں جس میں وسطی اور جنوبی یمن میں برطانوی ایجنٹوں کے بقایاجات کا خاتمہ کرنے کے لیے مصر کی فوج، کے ساتھ ساتھ پاکستان، سعودی عرب اور ترکیہ کی مسلح افواج، کی تعیناتی

شامل ہو سکتی ہے۔ اس کا حتمی مقصد بعد میں خود حوثیوں کا خاتمہ کرنا اور برطانوی اثر و رسوخ اور ایرانی سرپرستی میں قائم حوثی اثر و رسوخ دونوں کے ملبے پر کسی یمنی "کرزئی" کو مسلط کرنا ہو گا۔

لہٰذا پاکستان، الحجاز، مصرِ کنانہ اور ترکیہ میں ٹرمپ کے ان غلام ایجنٹوں کو اکھاڑ پھینکنے کا فرض ایسا واجب ہے جس کے برابر کوئی دوسرا واجب نہیں، اور اسے نظر انداز کرنا یا کسی دوسرے کام میں مشغول ہو جانا، خواہ اس میں کتنی ہی بھلائی کیوں نہ سمجھی جائے، میدانِ جنگ سے فرار ہونے کے گناہ سے بھی بڑا جرم ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ "پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہ کہیں ان پر کوئی آزمائش نہ آ پڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے"۔ (سورۃ النور: آیت 63)

**ولایہ مصر میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے رکن**

# صرف اسلام ہی لیبیا سے استعمار کو نکال باہر کرنے پر قادر ہے

مغربی لیبیا کی (قومی) وفاق حکومت کی فضائی، بحری اور فضائی دفاعی افواج کے چیف آف اسٹاف اور مشرقی لیبیا کی افواج نے ملک کے اتحاد اور اقتدار کی کشمکش کے خاتمے کی بات کرنے کے بجائے عسکری شعبوں میں تعاون اور ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لیے ایک مشترکہ ورکنگ پروگرام اور اجرائی منصوبوں پر اتفاق کیا ہے! اور ان کوششوں کی بے سودیت اور اس امید کے ختم ہونے کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ یہ مذاکرات اور کوششیں ملک کے لیے کوئی خیر لائیں گی، کیونکہ عسکری ادارہ یہ بات چیت اقوام متحدہ کے مشن کی سرپرستی میں اور لیبیا کے فریقین کے درمیان اکتوبر 2020ء میں جنیوا میں دستخط شدہ جنگ بندی معاہدے کی تعمیل کے فریم ورک کے تحت کر رہا ہے!

الرایہ: مسلمانوں کے اتحاد کا واجب ہونا شرعی لحاظ سے ایک طے شدہ اور حتمی معاملہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿**وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ**﴾ "اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔" (سورۃ آل عمران: آیت 103)

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے: «**مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ**» "جو شخص تمہارے پاس اس حال میں آئے کہ تمہارا معاملہ (حکومت و قیادت) ایک شخص پر متفق ہو، اور وہ تمہاری طاقت کو توڑنا یا تمہاری جماعت میں تفریق ڈالنا چاہے، تو اسے قتل کر دو۔"

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: «**إِذَا بُويِعَ لِخَلِيفَتَيْنِ فَاقْتُلُوا الْآخَرَ مِنْهُمَا**» "جب دو خلیفوں کے لیے بیعت کر لی جائے، تو ان میں سے دوسرے (بعد میں بیعت لینے والے) کو قتل کر دو۔"

برطانیہ کے ایجنٹوں اور امریکہ کے ایجنٹوں کے درمیان کشمکش ہی وہ بنیادی وجہ ہے جس نے ملک کو تقسیم اور خون خرادے کے چکر میں مبتلا کر رکھا ہے، اور یہ ایک ایسی جنگ ہے جس میں واحد نقصان اٹھانے والے خود مسلمان ہیں۔ اسی لیے لیبیا کے مخلصین ــــ قبائل کے اہل الحل والعقد اور علماءِ ربانی ــــ پر لازم ہے کہ وہ اس کشمکش کے قائدین اور تمام

فریقین کے ہاتھ پکڑیں تاکہ ملک کو استعمار کے چنگل سے نجات دلائیں، اور اسے استعمار کے پرچم کے بجائے "لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ" کے پرچم تلے متحد کریں۔ کیونکہ جو اسلام اوس اور خزرج کو باہم متحد کرنے پر قادر تھا، وہی آج لیبیا کے مشرق اور مغرب کو، بلکہ دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کو باہم متحد کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

**﴿وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْـدَاء فَـأَلَّفَ بَيْنَ قُلُـوبِكُمْ فَأَصْـبَحْتُم بِنِعْمَتِـهِ إِخْوَانـاً وَكُنتُمْ عَلَىَ شَـفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّـارِ فَأَنقَـذَكُم مِّنْهَـا كَـذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّـهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾.** "اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا؛ اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات واضح طور پر بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔" (سورۃ آل عمران: آیت 103)

# سموٹریچ اور تمام یہودی جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت ہمارے ہاتھوں طے کر دی ہے

رام اللہ نیوز ایجنسی نے اپنے صفحے پر یہودی وجود کے وزیر مالیات سموٹریچ کا ایک بیان شائع کیا ہے، جس میں اس نے یہ زعم ظاہر کیا کہ اس کے وجود کی طاقت اور خوشحالی ان لوگوں کے منہ پر سب سے بڑا تھپڑ ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ نے اسے چھوڑ دیا ہے۔

**الرایہ:** اس کافرہ کے بیٹے کو اقوام و ملل کی تاریخ سے واقف ہونے کی ضرورت نہیں یہ جاننے کے لیے کہ مادّی طاقت و خوشحالی کبھی بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کی دلیل نہیں رہی، بلکہ غالباً اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے، کیونکہ یہ اکثر مہلت دینے اور استدراج (تدریجی پکڑ) کی علامت ہوتی ہے، ورنہ فرعون اور قارون ہلاک ہونے والوں میں شامل نہ ہوتے، اور عاد، ثمود، اصحابِ مدین اور دیگر قومیں اپنے کفر و سرکشی کی سزا کے طور پر ہلاک نہ کی جاتیں جبکہ اللہ نے انہیں طاقت و نعمتیں عطا کر رکھی تھیں۔

جہاں تک مجرم یہودیوں کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ ان سے ذلت و خوار کبھی نہیں اٹھے گی سوائے اللہ کے حبل (عہد / ذمہ) اور لوگوں کے حبل کے، اور انہوں نے اللہ کے حبل کو کاٹ ڈالا ہے اور اپنے کفر اور انبیاء کے قتل کے باعث اللہ کے غضب کے مستحق ٹھہرے ہیں، اور آج وہ اپنے غرور، تکبر اور جرائم کی وجہ سے لوگوں کے حبل کا بھی خاتمہ کر رہے ہیں، اور اب ہمارے ہاتھوں اللہ کے عذاب سے ان کو بچانے والی کوئی چیز باقی نہیں رہی سوائے ان گھٹیا اور نااہل (رویبضات) حکمرانوں کے ایک گروہ کے جنہیں کافر مستعمر مغرب نے ان کے اس مسخ شدہ یہودی وجود کی حفاظت کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔

لہٰذا سموٹریچ اور تمام یہودی جان لیں کہ اللہ جل جلالہ نے ان کی سزا اور ہلاکت کو لکھ دیا ہے اور ہمیں یہ شرف بخشا ہے کہ اسے ہمارے ہاتھوں انجام دلائے، اور یہ اللہ کی طاقت و نصرت سے آنے والی ہے، اور ہر آنے والی چیز قریب ہے اور یہ اللہ کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔

# جمہوری انتخابات: ایک فرسودہ اور ناکارہ فارمولا

# لوگوں کو غافل اور بے ہوش رکھنے کے لیے ہے ان کے حالات میں کوئی سدھار لانے کے لیے نہیں

**تحریر: استد محمد عبداللہ**

**(ترجمہ)**

حکومت، سیاسی جماعتیں اور ان کے ذیلی ادارے ستمبر 2026 کے قانون ساز انتخابات میں لوگوں کو حصہ لینے پر اکسانے کے لیے ایک منظم مہم چلا رہے ہیں۔ عام طور پر انتخابات میں عوام کی شمولیت کو ریاست کے اداروں پر ان کے اعتماد اور مجموعی طور پر نظام کے جواز کا معیار سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومتیں اس تناسب کو ہر قیمت پر بلند رکھنے کی سعی کرتی ہیں تاکہ اندرون و بیرونِ ملک یہ باور کرایا جا سکے کہ نظام مستحکم اور قائم و دائم ہے، اور اگر کبھی عوام کی مخالفت شدت اختیار بھی کر لے تو وہ صرف چند افراد یا جماعتوں کے خلاف ہے، نظام کی بنیادوں کے خلاف نہیں۔ تاہم، زیادہ تر عرب ممالک میں ووٹنگ کی شرح کا جائزہ لینے والا ہر شخص یہ بات واضح طور پر دیکھ سکتا ہے کہ ہر نئے انتخابی موسم کے ساتھ یہ تناسب کس طرح مسلسل گرتا جا رہا ہے۔

مثال کے طور پر مراکش میں حکومت اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے حیلے بہانوں سے کام لیتی ہے، اور حساب کتاب کے طریقہ کار میں ہیرا پھیری کرتی ہے تاکہ معاملے کی سنگینی کو کم کر کے دکھایا جا سکے۔ وہ ووٹنگ کا تناسب صرف رجسٹرڈ ووٹروں کی بنیاد پر شمار کرتی ہے اور ان افراد کو سرے سے شامل ہی نہیں کرتی جو ووٹ کا حق رکھنے کے باوجود رجسٹرڈ ہی نہیں ہوئے۔ چنانچہ 2021 کے انتخابات میں، ووٹ کے اہل افراد میں سے صرف 69 فیصد لوگ رجسٹرڈ تھے، جبکہ 1991 میں یہ تناسب 86 فیصد تھا؛ یعنی متعلقہ عوام کی ایک تہائی تعداد نے ابتدائی مرحلے ہی میں رجسٹریشن کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ اب اگر ہم یہ دیکھیں کہ رجسٹرڈ افراد میں سے ووٹ ڈالنے والوں کی شرح 50.35 فیصد رہی، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ووٹ کا حق رکھنے والے تمام لوگوں میں سے عملاً حصہ لینے والوں کا تناسب صرف 34.5 فیصد (50٪

69٪ = 34.5٪) بنتا ہے۔ اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ دو تہائی عوام نے انتخابی عمل کا بائیکاٹ کیا۔ پھر اگر ہم اس میں مسترد شدہ ووٹوں کی 13.6 فیصد شرح کو بھی شامل کر لیں، تو شمار میں آنے والے درست ووٹوں کا تناسب 30.1 فیصد سے زیادہ نہیں بنتا۔

بالکل یہی صورتحال الجزائر میں بھی ہے، جہاں ووٹ کی عمر کو پہنچنے والی آبادی میں سے درست ووٹ ڈالنے والوں کا تناسب 1991 میں تقریباً 70.7 فیصد تھا، جو ڈرامائی طور پر گر کر 2021 میں صرف 16 فیصد اور 2026 کے انتخابات میں 17 فیصد رہ گیا۔

جہاں تک تیونس کا تعلق ہے تو وہاں حالات اس سے بھی کہیں زیادہ ابتر ہیں، جہاں عوام کی شمولیت کا تناسب تیزی سے تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا؛ چنانچہ یہ شرح 2014 میں 67.7 فیصد سے گر کر 2019 میں 41.7 فیصد اور پھر 2022 میں محض 11.2 فیصد پر آ گئی۔

حاصلِ کلام یہ کہ عمومی عوامی مزاج ان انتخابات کو تسلیم ہی نہیں کرتا اور نہ ہی انہیں اپنے حالات پر اثر انداز سمجھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ ان میں حصہ لینے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ رہے وہ لوگ جو عوام کو انتخابات میں حصہ لینے پر اکساتے ہیں اور ووٹ نہ دینے یا بائیکاٹ کرنے والوں کو ملامت کرتے ہیں، تو ان کی رائے چند مفروضات اور نظریات پر مبنی ہوتی ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱- انتخابات میں عدمِ شمولیت دراصل عمومی و قومی امور اور مطلوبہ تبدیلی کی کوششوں سے دستبرداری کے مترادف ہے، اور یہ رویہ کسی ایسے شخص کو ہرگز زیب نہیں دیتا جو عوام کے مفادات کا خیر خواہ ہو۔

۲- عمومی امور میں شمولیت کا واحد ذریعہ قانون ساز انتخابات ہی ہیں، کیونکہ یہی وہ راستہ ہے جو آنے والے مرحلے میں ملک کی باگ ڈور سنبھالنے والوں کے انتخاب کا باعث بنتا ہے۔

۳- انتخابات میں حصہ نہ لینا اور کسی باصلاحیت و موزوں ترین شخص کے انتخاب کے حق کو ضائع کرنا، بدعنوان اور موقع پرست عناصر کی آمد کا راستہ کھول دیتا ہے جو حالات کو مزید ابتر کر دیں گے۔

۴- قانون ساز انتخابات اصلاح کے لیے ایک موقع اور راستہ ہیں؛ ممکن ہے کہ یہ کوئی مثالی اور سب سے کارگر حل نہ ہوں، لیکن اس سے فائدہ اٹھانے اور عوام کے کچھ نہ کچھ مفادات حاصل کر لینے میں کیا مانع ہے؟ اور یہ تو طے شدہ اصول ہے کہ 'جو چیز پوری نہ مل سکے، اسے مکمل طور پر ترک بھی نہیں کیا جاتا'!

اور ان نکات کا جواب درج ذیل ہے:

1- عملی اعتبار سے انتخابات تبدیلی کے متعدد طریقوں میں سے صرف ایک طریقہ ہیں، اور کسی ایک راستے کو اختیار نہ کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ دوسرا راستہ اختیار نہیں کیا جا سکتا۔

2- عمومی و قومی امور میں شمولیت، عوام کے مفادات کی ترجمانی اور ان کے حقوق کا مطالبہ ایک روزمرہ کا کام ہے، نہ کہ کوئی موسمی سرگرمی کہ انسان چند سالوں میں صرف ایک بار اس میں مشغول ہو۔

3- قومی و عمومی امور میں شرکت کی شروعات عوام کے مسائل کو سمجھنے، ان کے بنیادی اسباب اور ظاہری علامات میں فرق کرنے، ان مسائل کے ذمہ دار کی نشاندہی کرنے، اور ایک درست متبادل کا مطالعہ کرنے سے ہوتی ہے؛ جس کے بعد مؤثر حل کی فکر کی جاتی ہے اور عارضی پیوندکاری سے گریز کیا جاتا ہے، نیز اس بات سے بھی ہوشیار رہا جاتا ہے کہ حالات کے دباؤ میں آکر پیش کردہ حل کی افادیت کو دیکھے بغیر اسے قبول نہ کر لیا جائے۔

4- جو شخص لوگوں کے سامنے یہ تصویر پیش کرتا ہے کہ چند سالوں میں صرف ایک بار ڈبے (بیلٹ باکس) میں ایک بے مایہ کاغذ کا ٹکڑا ڈال دینا عوام کے مفادات کی نگہداشت کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جانا ہے، وہی دراصل پرفریب اور مکار انسان ہے؛ نہ کہ وہ شخص جو لوگوں کو اپنے حالات پر غور و فکر کرنے اور بے شعوری کی حالت میں ہانکے جانے سے بچنے کی دعوت دیتا ہے۔

5- انتخابات کے اس طریقہ کار کو بار بار آزمایا جا چکا ہے، نہ صرف مراکش میں بلکہ دیگر متعدد ممالک میں بھی، تو آخر اس کا کیا نتیجہ نکلا؟! تہذیبی و تمدنی ترقی کہاں ہے؟! اور کہاں ہے احتساب؟ کیا بدعنوانی کی روک تھام کی جا سکی؟! کیا احتساب کے عمل سے کبھی کسی ذمہ دار کو اس کے عہدے سے ہٹایا گیا؟! کیا حکومتوں نے عوام کی نبض اور رائے عامہ کی صدا پر کوئی کان دھرے؟! یا پھر ہر نئے انتخابی موسم کے بعد ناکامی و مایوسی، بدعنوانی کی جڑوں کو مزید مضبوط و جابر بنانے، اور ظالمانہ و بے جا قوانین وضع کرنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا؟! یہ انتخابات اپنے سے پہلے کے انتخابات سے آخر کس بات میں مختلف ہیں، جبکہ سطحی پن وہی کا وہی ہے، بے ہودگی وہی کی وہی ہے، اور پردے کے پیچھے—بلکہ پردے کے

سامنے ـــسے تمام معاملات پر پہلے سے طے شدہ کنٹرول بھی وہی کا وہی ہے ؟! انہی تمام تر عوامل کے ساتھ ایک ہی تجربے کو بار بار دہرانا اور پھر مختلف نتائج کی توقع رکھنا نری حماقت ہے۔

6-حالات کی خرابی صرف افراد کی بد عنوانی کا نتیجہ نہیں ہے، اگرچہ اس کا بھی اس میں ایک کردار ہوتا ہے، بلکہ یہ بنیادی طور پر پورے نظام کی خرابی اور ان فاسد بنیادوں کا نتیجہ ہے جن پر یہ نظام قائم ہے۔ یہ بنیادیں نہ تو قابلِ بحث ہیں اور نہ ہی سرے سے حکومت یا منتخب نمائندوں کے اختیارات میں شامل ہیں۔ چنانچہ انتخابات اور ان کے نتائج اس معاملے میں کچھ بھی تبدیل نہیں کر سکتے۔ اور یہاں ہم یہ سوال پوچھتے ہیں: کسی سود خور بینک، شراب خانے یا فحاشی کے اڈے پر کسی دلاور اور باکردار مینیجر کو تعینات کرنے کا کیا فائدہ؟ فاسد اداروں کی سربراہی پر نیک اور صالح لوگوں کو بٹھانا، جبکہ ان کے اختیارات کو محدود کر دیا جائے اور انہیں فساد کے اصل مراکز اور سرغنوں تک پہنچنے سے روک دیا جائے، اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان فاسد اداروں کی عمر میں اضافہ کیا جائے اور لوگوں کو امید کی جھوٹی خوراکیں دے کر بے ہوش و غافل رکھا جائے۔

7- قانون ساز انتخابات دراصل ایسے افراد کے انتخاب کا نام ہیں جو اپنے ووٹروں کے وکالت نامے کے تحت اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ دیگر قوانین وضع کرتے ہیں، اسی لیے یہ حرام ہیں؛ کیونکہ جو کام وکالت کرنے والے (وکیل) کے لیے حرام ہے، وہی کام موکل (اصل شخص) کے لیے بھی حرام ہے، اور حرام کام کی وکالت کرنا بذاتِ خود حرام ہے۔

8-جو شخص قومی و عمومی امور میں کام کرنے اور لوگوں کے حالات کی اصلاح کا ارادہ رکھتا ہے، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ لوگوں کے امور رب العالمین کے منہج و طریقہ کار کے بغیر ہرگز نہیں سدھر سکتے؛ کیونکہ جس ذات نے انہیں پیدا کیا ہے، وہی ان کی بہتری اور ان کے نفع و نقصان کو سب سے بہتر جانتی ہے۔ لہٰذا جو اس منہج کے مطابق کام کرنا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ ان مخلص اور باہم شعور رکھنے والے لوگوں کی تلاش کرے جو عوام کی حالت سنوارنے کے لیے سچی جدوجہد کر رہے ہیں، اور وہ ان کے ساتھ خود کو ثابت قدم رکھے اور ان کی کشتی میں سوار ہو جائے خواہ وہ کشتی آج خشک زمین پر ہی کیوں نہ کھڑی ہو، کیونکہ جب ظلم و تاریکی کی موجیں آپس میں ٹکرائیں گی تو نجات اسی کشتی میں ہے۔

اور آخر میں ہم لوگوں سے یہی کہتے ہیں: اگر ان انتخابات کے ذریعے تمہارے حقوق ان لوگوں کی جیبوں سے واپس نکل سکتے جو تمہارے بچوں کا رزق لوٹتے ہیں، تو یہ انتخابات کبھی منعقد ہی نہ کیے جاتے اور نہ ہی تمہیں ان کی طرف بلایا جاتا۔ یہ تو بس ایک چکر ہے، تم اپنے لیے تیار کردہ ڈبے میں وہ کاغذ کا ٹکڑا ڈالتے ہو، اور پھر بغیر کچھ حاصل کیے اپنے گھروں کو

لوٹ آتے ہو؛ چنانچہ وہ انہی پرچوں کے ذریعے جنہیں چاہتے ہیں حکومت تک پہنچا دیتے ہیں، تاکہ ملک ان کے لیے ایک لذیذ اور آسان لقمی بنا رہے، جبکہ تم مسلسل پانچ سال تک مشقت اٹھاتے رہتے ہو۔ پھر جب ان کی غرض پوری ہو جاتی ہے اور اگلا انتخابی موسم آتا ہے، تو تمہیں دوبارہ بلایا جاتا ہے، اور تمہیں وہ وعدے اور امیدیں سنائی جاتی ہیں جنہیں تم سننا چاہتے ہو، پھر تم ایک اور پرچی ڈال دیتے ہو، اور یہی سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے، یہاں تک کہ تمہاریاں عمریں، تمہاری روزی، تمہاری توانائیاں اور تمہاری نسلوں کی محنتیں اسی میں ضائع و ختم ہو جاتی ہیں۔

بے شک حقیقی تبدیلی کا راستہ بالکل واضح اور معروف ہے ہر اس شخص کے لیے جو واقعی اس کا خواہاں ہو، اور تمہارے لیے جو راستے کھولے گئے ہیں ان پر چلنا اگرچہ آسان اور بغیر کسی قیمت کے ہو سکتا ہے لیکن وہ کبھی کسی خیر تک نہیں پہنچاتا۔ پس تم خود فیصلہ کر لو: ایک ایسا آسان راستہ جو منزل تک نہیں پہنچاتا، یا وہ راستہ جو بلا شک و شبہ منزل تک پہنچانے والا ہے جس کی رہنمائی رب العزت نے فرمائی ہے، جس میں سراسر خیر، دنیا کی عزت اور آخرت کی کامیابی ہے؟ یہ سچ ہے کہ اس راستے میں مشقت ہو سکتی ہے، لیکن اس کی ہر مشقت پر اجر ملتا ہے، بلکہ اجر تو ہوتا ہی مشقت کے بقدر ہے۔

# کیا امت کافر مغرب کے منصوبوں کو ناکام بنائے گی اور اپنے حقیقی منصوبے کو اپنائے گی؟

مغرب اور ہمارے طاغوتی حکمران اہل الفکر کو امت تک پہنچنے سے روکنے کے لیے جنگ لڑ رہے ہیں کیونکہ فکری لوگوں کا کام محض باتیں کرنے سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ وہ امت کا اپنے وجود، اپنے مسائل اور اس راستے کے بارے میں شعور دوبارہ بیدار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جس پر اسے چلنا چاہیے، جیسا کہ تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام نے کیا۔ اسی لیے مغرب اور اس کی قیادت میں امریکہ نے عوام کو تقسیم کرنے، انہیں غربت و تنازعات میں ڈبونے اور امت کو بیدار و متحد کرنے والے ہر منصوبے کا محاصرہ کر کے اس ملاقات اور رابطے کو روکنے کی کوشش کی۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ مغرب چنگاری کو بجھانے کی کوشش میں اس کے گرد ایندھن کا ڈھیر لگا رہا ہے، کیونکہ اس کی جنگیں، اس کا ظلم، یہودی وجود کی اس کی حمایت اور اس کے جرائم سے چشم پوشی، امت کے وسائل کی لوٹ مار اور اسے غربت و جبر کے تلے دبائے رکھنا، ان سب کے ذریعے وہ خود اپنے ہاتھوں سے دباؤ پیدا کر رہا ہے؛ وہ امت کو اس حد تک تنگ کر رہا ہے کہ وہ یہ سمجھ لے کہ اپنے حالات کو بدلنا اب ناگزیر ہو چکا ہے۔

لہٰذا جو کچھ مغرب آج کر رہا ہے وہ شاید اسے وہ مقصد حاصل نہ کرنے دے جو وہ چاہتا ہے، بلکہ یہ ان حالات کو ساز گار بنا سکتا ہے کہ چنگاری ایندھن سے جا ملے، اور وہ آگ بھڑک اٹھے جس کے وقوع پذیر ہونے سے وہ اپنی پوری زندگی ڈرتا رہا ہے، خاص طور پر جبکہ امت نے آج تمام سیکولر اور قوم پرست منصوبوں کی ناکامی کو سمجھنا شروع کر دیا ہے، اور یہ کہ اس کی حقیقی نجات اس کے اسلامی منصوبے میں ہے جو زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ کی شریعت کو نافذ کر کے اس کی شان و شوکت اور عزت کو بحال کرے گا، جس سے وہ عدل قائم ہو گا جو سو سال سے زائد عرصے سے غائب تھا۔

# امریکہ کا سورج غروب ہو چکا ہے اور اس کی تاریکی سب پر ظاہر ہو چکی ہے

خطے میں ایک علاقائی بلاک بنانے کی امریکہ کی کوشش ان شاء اللہ اسے آئی سی یو (وینٹی لیٹر) میں رکھنے کے وقت کو طول دینے کی ایک ناکام کوشش ہے، کیونکہ وہ سالوں سے آئی سی یو میں ہے۔ چنانچہ اس کے ایجنٹ اور گھٹیا کارندے اسے ایران کے دلدل سے نکالنے کے لیے دوڑ پڑتے ہیں جیسا کہ انہوں نے مسلمانوں کے جذبات اور امنگوں کو کھلم کھلا چیلنج کرتے ہوئے غزۃ کی نسل کشی میں اس کے لیے اور اس کے پالے ہوئے یہودی وجود کے لیے امداد کے ہاتھ بڑھائے۔

ایجنٹوں اور پیروکاروں کا یہی شیوہ ہوتا ہے، وہ مسلم ممالک پر کافر مستعمر مغرب کے تسلط کو برقرار رکھنے، مسلمانوں کے خون اور ان کے وسائل کو اس تسلط کے ایندھن کے طور پر استعمال کرنے، اور ان کی بیداری، ان کی سابقہ عزت کی طرف واپسی، اور الخلافۃ الراشدۃ علی منہاج النبوۃ (منہاجِ نبوت پر خلافتِ راشدہ) کے قیام کے ذریعے اسلامی زندگی کا دوبارہ آغاز کرنے کو روکنے کے لیے ہی وجود میں آئے ہیں۔

امریکہ جان لے کہ اس کا سورج غروب ہو چکا ہے اور اس کی تاریکی سب پر عیاں ہو چکی ہے، اور اس دور کے اس کے ایجنٹ اور گھٹیا حکمران (رویبضات) جان لیں کہ اگرچہ وہ امت اسلامیہ کی غفلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کی افواج کو خائن، ایجنٹ اور جھکنے والی قیادتوں کے سپرد کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں، بجز ان کے جن پر میرے رب کا رحم ہو، لیکن وہ یہ جان لیں کہ مسلمانوں کی افواج میں بحمد اللہ ایسے بہت سے مخلص اور پر عزم مجاہدین موجود ہیں جو تمہارے اور تمہیں مسلط کرنے والوں کے رشتے و تعلقات کاٹنے کے منتظر ہیں۔

اے لوگوں کے لیے برپا کی گئی بہترین امت کے پاسبانو اور سپاہیو! اپنا ارادہ پختہ کرو اور اس رہنما حزب التحریر کو اپنی نصرت وحمایت فراہم کرو جو اپنے لوگوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا، تاکہ وہ سو سال کے اس قحط و عسرت کا خاتمہ کر سکے جس میں مسلمان کافر مغرب کے بغض و کینے اور ظلم وستم کی آگ میں جلتے رہے ہیں، اسے اپنی نصرت دو کیونکہ بخدا اسی میں دنیا و آخرت کی عزت و سربلندی ہے، اور ایسی ہی چیز کے لیے مقابلے کرنے والوں کو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا مقابلہ کرنا چاہیے۔